سوال نمبر 1: ارکانِ اسلام سے کیا مراد ہے، فرد کی تعمیرِ سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کیا کردار ادا کرتی ہے؟

جواب: ارکان: رکن کی جمع ہے۔ رکن "ستون" کو کہتے ہیں، رکن پر عمارت قائم ہوتی ہے۔ کعبہ شریف کے چار ستونوں میں سے ایک کا نام "رکنِ یمانی" ہے۔

ارکانِ اسلام: "اس سے مراد وہ بنیادی اصول و اعمال ہیں جن کی حیثیت اسلام میں ستونوں جیسی ہے، جن پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔

استدلال بالحدیث: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری و مسلم) اسلام (کا قصر پانچ ستونوں) پر بنایا گیا ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

تعمیرِ سیرت سے مراد: فیروز اللغات میں "تعمیر" سے مراد ہے "مرمت کرنا، بناوٹ، ساخت، عمارت بنانا وغیرہ" اور سیرت "سار۔ یسیر" سے "اخلاق، مکارم" کے معنیٰ میں آتا ہے۔

اصطلاحی مفہوم: انسان اپنی شخصیت کی ایسی تربیت کرے کہ وہ ہر قسم کے شر اور رذائل، منکرات اور مصائب سے بچ جائے اور ہر قسم کی خیر، فضائل، معروفات، اخلاق و افعالِ حسنہ کو اپنائے اور انہیں پروان چڑھنے دے۔

نماز سے تعمیرِ سیرت: نماز کے بہت سے اوصاف میں سے ایک اہم وصف یہ ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت ۲۹: 45)

انفرادی نماز کے تعمیرِ سیرت پر اثرات: انفرادی نماز انسان میں مندرجہ ذیل اثرات پیدا کرتی ہے جس سے اس کے کردار و سیرت کی تعمیر ہوتی ہے

1. **احساسِ بندگی:** پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری بندے کے دل میں اللہ کا عاجز بندہ ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے۔
2. **قربِ خداوندی:** جب جبینِ نیاز جھکتی ہے تو "میں" یعنی انانیت کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے، نتیجۃً قربِ خداوندی نصیب ہوتا ہے۔
3. **گناہوں سے نفرت:** دو نمازوں کے درمیان بندہ یہ سوچتا ہے کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے بچنے کی دعا کی تھی، اب کس منہ سے اسکی بارگاہ میں جاؤں، یہ احساس مستقل کیفیت میں بدل جاتا ہے اور انسان کو گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔
4. **طہارت و پاکیزگی:** نماز کے لئے چونکہ بدن، لباس اور جسم کا پاک ہونا ضروری ہے اس لئے نمازی ان سب چیزوں کی صفائی اور پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے۔

معاشرہ: معاشرہ "عاشر یعاشر" کا مصدر ہے۔ اس کے معنی مل جل کر رہنے کے ہیں۔ معاشرہ سے مراد افراد کا وہ مجموعہ ہے جو باہم مل جل کر رہے۔ اجتماعیت کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے معاشرے مختلف بنیادوں پر قائم ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً برادری، قوم، زبان، مذہب اور جغرافیائی حدود وغیرہ۔

اسلامی معاشرہ: اسلامی معاشرہ ایک ایسی متوازن اور معتدل زندگی کا نام ہے جس میں انسانی عقل، رسوم و رواج اور معاشرتی آداب وحی الٰہی کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔

معاشرہ کی تشکیل میں نماز کا کردار: فرد اور معاشرہ باہم لازم و ملزوم ہیں، جس طرح فرد معاشرے سے الگ ہو کر ایک بے حقیقت اکائی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اسی طرح معاشرہ افراد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ دوسرے لفظوں میں افراد کی مجموعی حیثیت کا نام معاشرہ ہے۔ اس لحاظ سے فرد کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح پر منتج ہوگی اور فرد کا بگاڑ پورے معاشرہ کے بگاڑ کا باعث بنے گا۔ اسی لئے اسلام نے فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد فرد پر جو سب سے پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ نماز ہے۔ تاکہ نماز اس کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کی اصلاح کر سکے۔ ذیل کی حدیث نماز کے اس فائدۂ عظمٰی کی شاہد ہے": أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُولُ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ قَالُوا لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا قَالَ فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهَا الْخَطَايَا) « متفق علیہ» حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جاتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ "نہیں یا رسول اللہ ﷺ!" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، "بالکل اسی طرح جو آدمی روزانہ پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

فرد کی اصلاح کے بعد معاشرتی اصلاح کا نمبر آتا ہے چنانچہ جب بہت سے افراد مل کر ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی اصلاح و تطہیر کے لئے اسلام نے نماز باجماعت کو لازمی قرار دیا ہے۔

نماز باجماعت کے معاشرہ پر اثرات:

اجتماعیت کا فروغ: نماز باجماعت میں انفرادی نماز کے مقابلہ میں ستائیس گنا اجر و ثواب صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً (بخاری) اور نماز باجماعت نہ پڑھنے والوں کے لئے وعید کہ: جو لوگ اب تک گھر سے نماز کے لئے نہ نکلے ہوں فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ (بخاری) ان کے گھروں کو ان کے سمیت جلا دوں لیکن ان کے اہل و عیال کا خیال آنے سے یہ ارادہ ترک کر دیا

بھائی چارہ میں اضافہ: نماز باجماعت سے مسلمان ایک دوسرے کے حالات، مصائب اور خوشیوں سے باخبر رہتے ہیں جس سے بھائی چارے میں اضافہ ہوتا ہے۔

عملی مساوات: جب مسلمان رنگ، نسل، علاقے، اور طبقاتی تقسیم کی پرواہ کئے بغیر شانے سے شانہ ملا کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو عملی طور پر اس وقت سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔

وقت کی پابندی: نماز وقت پر ادا کرنے سے انسان بقیہ معاملات میں بھی وقت کی پابندی کا عادی بن جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء:103 بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے،

اونچ نیچ کا خاتمہ: امیر و غریب، آقا و مولیٰ، شاہ و گدا اور چھوٹے بڑے جب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں، تو نفرت و کدورت اور دشمنی ختم ہوتی نظر آتی ہے۔ بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز::::: نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

نظم و ضبط کا شعور: معاشرہ کی ترقی نظم و ضبط کی مرہونِ منت ہوتی ہے، نماز نظم و ضبط کی تربیت کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ نماز میں امام کا تقرر اور اس کی پیروی، اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔

اطاعتِ امیر: معاشرے میں جب تک کسی ایک فرد کو اجتماعی طور اپنا حاکم تسلیم نہ کیا جائے وہ فساد کا شکار رہتا ہے، نماز میں اطاعتِ امام، اطاعتِ امیر کی طرح ہی ہوتی ہے۔ تکبیرِ تحریمہ، رکوع، سجود حتیٰ

کہ تمام حرکات وسکنات امام کے تابع ہوتی ہیں، اس شخص کو گناہ گار کہا گیا جس نے امام سے پہلے سر اٹھایا: لَا یَخْشٰی اَحَدُکُمْ اِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ رَاْسَہٗ رَاْسَ حِمَارٍ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ صُوْرَتَہٗ صُوْرَۃَ حِمَارٍ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 663) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سا سر بنادے یا اللہ اس کی صورت گدھے کی سی صورت بنادے۔

حاصل کلام: انسان کی تعمیر سیرت وکردار اور معاشرے کی تشکیل میں نماز کا کردار نہایت اہم ہے۔

سوال: روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات (روزے کے فوائد وثمرات) بیان کریں۔

جواب: روزہ کا معنی: عربی میں صوم کا معنی کسی چیز سے رکنا اور اس کو ترک کرنا **روزہ کا شرعی معنی:** مکلّف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے ' پینے اور ازدواجی تعلقات کو ترک کرنا اور اپنے نفس کو تقوی کے حصول کے لیے تیار کرنا۔

دینِ اسلام میں روزہ: روزہ دینِ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے۔

حکم روزہ: روزہ فرض ہے۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ البقرۃ:183) ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ

مذاہبِ عالم اور روزہ: جیساکہ مذکورہ آیت میں بیان ہے کہ ادیان اور ملل میں روزہ معروف تھا ' قدیم مصری ' یونانی ' رومن اور ہندو سب روزہ رکھتے تھے ' موجودہ تورات میں بھی روزہ داروں کی تعریف کاذکر ہے ' اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا چالیس دن روزہ رکھنا ثابت ہے۔ موجودہ انجیلوں میں بھی روزہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

روزہ کے مقاصد: پیشِ نظر آیت کریمہ میں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کہہ کر اور قرآنِ پاک کے دیگر مقامات پر وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ اور وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ میں روزے کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱: تقویٰ کا حصول ۲: ضبطِ نفس اور اللہ کی کبریائی کا یقین
۳: اللہ کا شکر

1. **تقویٰ:** **لغوی معنی:** بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں۔ **اصطلاح شریعت** میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے یا ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بناء پر ہر کام میں اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرے اس سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ تقویٰ کا اصل تعلق دل سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا اور یہ کہہ کر دل کی طرف اشارہ فرمایا۔ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ نے بھی واضح طور پر پوری زندگی کو اللہ کی معصیت سے پاک کر دینا روزے کا مقصد ٹھہرایا ہے اور جو آدمی صرف کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرتا ہے لیکن باقی زندگی کے معاملات میں خلاف شریعت امور سے اجتناب نہیں کرتا تو حضور ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ (صحیح بخاری) (جس آدمی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے)

آنحضرت ﷺ نے مزید فرمایا: کَمْ مِنْ صَائِمٍ فَلَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ فَلَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھَرُ (سنن ابن ماجہ: جلد اول) ترجمہ: (کتنے ایسے روزے دار ہیں جن کو روزے سے سوائے بھوک پیاس کے اور کچھ نہیں ملتا اور کتنے ایسے شب زندہ دار ہیں جن کو رتجگے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا)

2. **ضبطِ نفس اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا یقین:** ایک روزہ دار جب اپنی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت وحاکمیت میں دے دیتا ہے۔ اس نے ان جائز جذبات پر بھی قدغن عائد کردی ہے۔ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ یعنی ہم نے روزہ اس لیے فرض کیا تاکہ تم اللہ کو ہی بڑا سمجھو اور اسی کی بڑائی کرو جس طرح اس نے (اپنی کتاب کے ذریعہ) تمہیں رہنمائی فرمائی ہے۔ اپنی "میں" کو مار دو۔ اسے اور اسکے احکامات کو ہی بڑا مانو۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کرلے، اسے ضبطِ نفس کی وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کرسکتا ہے۔

3. **شُکر:** ۔لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ "شاید تم شکر گزار بن جاؤ" یعنی امید کی جاسکتی ہے کہ اس مسلسل محنت اور مداومت سے تمہارے اندر شکر کی صفت پیدا ہو جائے۔ اس کی ضد کفر ہے۔ یہ دونوں صفات دراصل انسان کے دو بنیادی رویے ہیں۔ جو اس کی فطرت کا تقاضہ بھی ہیں اور اس کی طبیعت کا خاصّہ بھی۔ اسی لیے ارشاد فرمایا گیا: اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا "ہم نے انسان کو راستہ بتادیا (اب وہ) شکر گزار ہے یا ناشکر گزار (کافر)۔

مقاصدِ روزہ کا حاصل کلام: جسم کے بنیادی تقاضے تین ہی ہیں۔

۱:::غذا جو زندہ رہنے اور بقائے جسم کے لیے ضروری ہے۔ ۲:::::::: جنسی طلب جو بقائے نوع کے لیے ضروری ہے۔ 3 :::: آرام جو قوت کارکردگی کی بحالی کے لیے ضروری ہے۔

روزے نے انھی تینوں کو کمزور بلکہ حدود میں محدود کرنے کا کمال کیا ہے۔ وہ دن کو کھانے پینے اور مباشرت پر پابندی لگا کر ان پر قابو پانا سکھاتا ہے اور رات کو قیامِ لیل کا حکم دے کر آرام وراحت کی طلب کو محدود کرتا ہے

روزے کے عملی زندگی پر اثرات (روزے کے فوائد وثمرات):

1. **نیکی کا ذوق اور بدی سے نفرت:** جب ایک انسان رمضان کے پورے مہینے میں کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا اکثر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بدی سے نفرت ہو جاتی ہے۔

2. **خود پسندی کا علاج:** روزہ خواہشات پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ انسان کی انانیت (خود پسندی) کا بھی مؤثر علاج ہے۔ جب انسان بھوک اور پیاس کی شدت میں کھانے پینے کی چیزیں پاس ہوتے ہوئے بھی کھا تا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ احساس جب دائمی کیفیت بن جائے تو اس میں خود پسندی ختم ہو جاتی ہے۔

3. **ضبطِ نفس:** انسان کو نیکی کے راستے سے روکنے اور برائی کے راستے پر ڈالنے والی اہم چیز خواہشِ نفس ہے۔ خواہشات اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع رہیں تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی

خوبیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن جب یہ ہدایت ربانی کے تابع نہیں رہتیں تو انسان کو حیوانی سطح سے بھی گرا دیتی ہیں۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کر لے، اسے ضبطِ نفس کی وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

4. **روزہ ڈھال ہے:** روزہ برائیوں، بداعمالیوں اور نفس کی فریب کاریوں کے مقابلے میں ڈھال ہے۔ روزہ گناہوں اور غلط کاموں سے اس طرح بچاتا ہے جیسے ڈھال میدانِ جنگ میں دشمن کے وار سے بچاتی ہے۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ روزہ ڈھال ہے، اس لئے (روزہ دار) نہ تو بری بات کرے اور نہ جہالت کی بات کرے اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے میں روزہ دار ہوں، دوبار کہہ دے (صحیح بخاری)

5. **قربِ الٰہی:** روزے کے ذریعے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ تمام عبادات کا اجر و ثواب محدود ہوتا ہے لیکن روزے کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کی رضا کی صورت میں لامحدود ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ (رض) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے ہر عمل میں سے ایک نیک عمل کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے اللہ نے فرمایا سوائے روزے کے کیونکہ إِنَّ الصَّوْمَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا (صحیح مسلم)

6. **باب الریّان سے جنت میں داخلہ:** روزہ داروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک مخصوص دروازہ رکھا جس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں ایک کا نام "ریان" ہے اس سے صرف روزہ دار (جنت میں) داخل ہوں گے۔ (صحیح بخاری)

7. **انسانی ہمدردی:** روزہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ خود بھوکا اور پیاسا رہ کر انسان میں دوسرے انسانوں کی بھوک اور پیاس کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ اور دل غرباء و مساکین سے ہمدردی کے جذبے سے معمور ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رمضان کو ''اَلشَّھْرُ الْمُوَاسَاۃ'' ہمدردی و غم گساری کا مہینہ قرار دیا ہے۔

8. **دعا کی قبولیت:** اللہ تعالیٰ روزہ دار کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی؛ اول روزہ دار کی افطار کے وقت، دوم عادل حکمران کی اور سوم مظلوم کی دعا"

9. **طبّی فوائد:** بہت سے فاضل مادے مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے انسانی جسم سے خارج ہو جاتے ہیں؛ جس سے انسان تندرست و توانا رہتا ہے۔

10. **پابندیٔ اوقات:** انسان کی عملی زندگی پر روزے کے اثرات میں سے ایک پابندیٔ وقت بھی ہے۔ سحر و افطار کے مخصوص اوقات کے علاوہ اپنے آپ کو کھانے پینے وغیرہ سے روک کر رکھنا اور اس پابندی کو اپنے مزاج اور طبیعت کا حصہ بنانا روزے کی بدولت ہی ممکن ہے۔

سوال نمبر ۳: اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

جواب: ارکانِ اسلام میں سے چوتھا رکن "زکوٰۃ" ہے

استدلال بالحدیث: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری و مسلم) اسلام (کا قصر پانچ ستونوں) پر بنایا گیا ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

مادہ اشتقاق: " ز-ک-ۃ" **لغوی معنیٰ** "پاک کرنا، نشوونما کرنا،

اصطلاحی مفہوم: وہ مالی عبادت جو ہر عاقل و بالغ صاحب نصاب مالدار مسلمان پر اڑھائی فی صد کی مقدار میں سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

نصاب: نصاب سے مراد وہ مال جو بنیادی ضروریات کے بعد بچ گیا ہو جس کی مقدار ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، اگر کسی مسلمان کے پاس سال بھر موجود رہے بشرطیکہ وہ مال اسکا اپنا ہو، اس پر اسکا قبضہ ہو، اور مال میں بڑھنے کی صلاحیت ہو نصاب کہلاتا ہے۔

اسلام کا معاشی نظام: اسلام چونکہ ایک دین کامل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے معاشرے کی تشکیل میں نظامِ معیشت کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے اسکو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نظامِ معاشرت کی طرح نظامِ معیشت کے بہترین ضابطے دیے ہیں۔ اگر ان ضابطوں پر عمل کیا جائے تو معاشی عدل قائم ہوتا ہے۔ اور ان کو ترک کر دینے سے ناانصافی جنم لیتی ہے جو متعدد خرابیوں کا باعث ہے۔

زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت: اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ادائیگیٔ نماز کے ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کی اسی حیثیت کے پیشِ نظر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے باوجود کہ وہ کلمہ گو تھے جہاد کیا اور فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں ان دونوں فرائض کی تعمیل میں فرق نہیں ہونے دوں گا۔

زکوٰۃ کے معاشی فوائد: اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں

1. **گردشِ دولت:** اسلام سودی نظام کے خلاف ہے، چونکہ سودی نظامِ معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لئے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیا تا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس صورت حال کا بہترین حل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر 7:59) (یہ نظام تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے

2. **سود کا خاتمہ:** سودی نظامِ معیشت میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس معاشی بگاڑ کا بہترین حل ہے کہ دولت چند ہاتھوں سے نکل کر قوم کے بے شمار نادار اور مفلوک الحال افراد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جس سے غریب کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآنِ حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (سورۃ البقرۃ 2 : 276) اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)

3. **سرمایہ کاری میں اضافہ:** ادائیگی زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے صاحبِ مال اپنی دولت کسی نہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانے پر

مجبور ہو جاتا ہے جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے لہٰذا صاحبِ مال یہ رقم دیگر قسم کے بھاری قسم کے ٹیکسوں کے مقابلے میں خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ اور اپنا سرمایہ پوری آزادی سے کاروبار میں لگاتا ہے۔ جب کہ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے جس سے ملکی معیشت کمزور ہوتی ہے۔

4. ارتکازِ دولت کا خاتمہ: دولت کا چند ہاتھوں میں جمع ہونا ارتکازِ دولت کہلاتا ہے جو کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کے لئے زہر قاتل ہے۔ اسلام ارتکازِ دولت کو حرام قرار دیتا ہے۔ حضرت معمرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذخیرہ کرنے والا خطاکار ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے

5. معاشی استحکام: آنحضرت ﷺ ہر قبیلے میں اپنا ایک عامل مقرر فرماتے تھے جو محتاجوں کی ایک فہرست بناتا اور زکوٰۃ کے فنڈ سے اتنا دے دیتا کہ لوگ اس سے بتدریج آسودہ اور خوش حال ہونے لگے۔ اس سے لوگ اپنے معاش کا انتظام کر لیتے تھے۔ حضور ﷺ کے جمع و تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد رسالت میں ہی عرب قبائل میں آسودگی اور معاشی استحکام آنے لگا۔ اگر زکوٰۃ کی جمع و تقسیم درست ہو تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ دینے والے تو ہوتے ہیں لیکن لینے والا کوئی نہیں، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں ہوا۔

زکوٰۃ کے معاشرتی فوائد: اسلام کے معاشی نظام زکوٰۃ کے معاشرتی فوائد مندرجہ ذیل ہیں

1. حسد و حقارت کا خاتمہ: غربت اور ناداری صاحب ثروت افراد سے حسد پیدا کرتی ہے جبکہ دولت کی فراوانی، قارونیت، اور فرعونیت؛ غرباء و مساکین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اسلام نے نظام زکوٰۃ پیش کر کے معاشرے پر احسان کیا ہے جس سے مفلس طبقہ 'ناداری کے مصائب سے دوچار نہیں ہوتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ صاحب ثروت طبقہ اخلاقی امراض کا شکار نہیں ہوتا۔

2. طبقاتی کشمکش کا خاتمہ: معاشرے میں دولت کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں خون کی۔ اگر یہ سارا خون دل (یعنی مالدار طبقے) میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم (یعنی عوام) کو مفلوج کر دینے کے ساتھ ساتھ خود دل کے لئے بھی مضر ثابت ہوگا۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے شوق کی عدم موجودگی سے امراء و غرباء کے درمیان نفرت اور دشمنی کی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔ خون خرابے تک نوبت آجاتی ہے اور معاشرتی زندگی مفلوج ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۃ التوبہ:103) ترجمہ: (اے رسول) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجیے، اس کے ذریعے آپ انہیں پاکیزہ اور بابرکت بنائیں

3. امن عامہ: امن عامہ کاروباری سرگرمیوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدامنی ناانصافی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ جب معاشرے کے کچھ طبقوں کو ارتکاز دولت کی اجازت نہیں ہوگی تو مالی طور پر محروم طبقے میں محرومی کا احساس کم ہو جاتا ہے جس سے امن وامان کے بہتر امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

4. تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ: دولت کی گردش صحت مند معاشرے کے لیے انتہائی ضروری ہے اس کی وجہ سے طبقاتی فرق کم کرنے اور تجارتی سرگرمیاں بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔ عام طور پر مالدار یا ہنرمند لوگ تو کسی نہ کسی درجہ میں قومی دولت کے کچھ حصے تک رسائی حاصل کر پاتے ہیں لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنی غربت، ناخواندگی یا معذوری کی وجہ سے کاروباری سرگرمیوں میں حصہ نہ لیا ہو ان تک دولت کی گردش نہیں پہنچ پاتی۔ ان مسئلے کا حل اغنیاء پر زکوٰۃ فرض کرنے سے ہو سکتا ہے۔

5. کاروبار کی مفت تشہیر: زکوٰۃ وصول کنندہ ہمیشہ امیر زکوٰۃ دہندہ کا احسان مند ہوتا ہے، جگہ جگہ اس کا ذکر خیر کرتا ہے اور اس امیر کے کاروبار کا بے لوث تشہیر کار بن جاتا ہے۔ ساکھ کی آج کے زمانے میں جو اہمیت ہے وہ سب پر واضح ہی ہے۔

6. مفید تنظیمی اشتراک: جب زکوٰۃ وصول کرنے والا غریب دیکھتا ہے کہ امیر کے مال اور تجارت کے بڑھنے سے اسے زیادہ فائدہ ملتا ہے تو وہ امیر سے حسد کرنے یا اس کے کاروباری سرگرمیوں میں خلل ڈالنے کے بجائے اس کا معاون اور خیر خواہ بن جاتا ہے جس سے معاشرے میں امن وامان سے بڑھ کر ایک خوبی مفید تنظیمی اشتراک کی پیدا ہوتی ہے۔

7. منصفانہ تقسیمِ دولت: امیر و غریب کے فرق کو مٹانے کا بہترین حل زکوٰۃ ہے۔ جہاں تقسیمِ دولت کا منصفانہ نظام نہ ہو وہاں غریب یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

8. غربت کا خاتمہ: زکوٰۃ کا معاشرتی طور پر ایک فائدہ غربت کا خاتمہ ہے۔ جس معاشرہ میں زکوٰۃ کا نظام صحیح ہو وہاں کوئی بھی شخص غریب نہیں رہ سکتا۔ اس کی واضح مثال "حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دور ہے، صرف اڑھائی سال کے مختصر وقت میں آپ نے معاشرے کی کایا پلٹ دی، آپؒ کے دور میں ہر فرد زکوٰۃ دینے والا بن چکا تھا، لینے والا نظر ہی نہیں آتا تھا۔

9. بھائی چارے کا قیام: زکوٰۃ اسلامی معاشرے کو ایک خاندان کی طرح بنا دیتی ہے، اس میں صاحبِ قدرت؛ ناتواں شخص کی اور مالدار شخص؛ تنگ دست کی مدد کرتا ہے، پس انسان یہ سمجھنے اور محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ اسکے بھائی ہیں اس پر واجب ہے کہ وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے، ان پر احسان کرے جس طرح اللہ جل جلالہ نے اس پر احسان فرمایا ہے، اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں پر) احسان کر۔ (القصص:۷۷)

زکوٰۃ کے انفرادی فوائد:

1. تطہیرِ باطن و تزکیۂ نفس: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۃ التوبہ:103) ترجمہ: (اے رسول) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجیے، اس کے ذریعے آپ انہیں پاکیزہ اور بابرکت بنائیں
   i. تُطَهِّرُهُمْ: اے رسول زکوٰۃ وصول کر کے ان لوگوں کو بخل، طمع، بے رحمی، دولت پرستی جیسے برے اوصاف سے پاک کریں۔
   ii. تُزَكِّيْهِمْ: ان میں سخاوت، ہمدردی، ایثار و قربانی جیسے اچھے اوصاف کی نشو و نما کریں۔ اس طرح زکوٰۃ اوصاف رذیلہ کی تطہیر اور اوصاف حمیدہ کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

2. مال کی پاکیزگی: زکوٰۃ کا ایک معنیٰ "پاک کرنا" بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى (سورۃ اللیل:18) ترجمہ: جو اپنا مال پاکیزگی کے لیے دیتا ہے۔

3. صدق و ایمان کی دلیل: یہ زکوٰۃ دینے والے کے صدق و ایمان کی دلیل ہے، اس لئے کہ مال دلوں کو بہت پیارا ہوتا ہے اور پیاری و محبوب چیز صرف اسی صورت میں خرچ کی جاتی ہے جب اس جتنی یا اس سے زیادہ محبوب چیز کا حصول مقصود ہو بلکہ اس سے محبوب تر چیز کے حصول پر

اس پسندیدہ چیز کو خرچ کیا جاتا ہے، اسی لئے اس (زکوٰۃ) کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ یہ (صدقہ) زکوٰۃ ادا کرنے والے کی اللہ جل جلالہ کی رضا کی سچی طلب پر دلالت کرتا ہے۔

4. یہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے اخلاق سنوارتی ہے، یہ اس کو بخیلوں کے زمرے سے نکال کر سخیوں کے زمرے میں داخل کرتی ہے

5. زکوٰۃ دل کو مطمئن کرتی ہے، پس انسان جب مال' سخاوت اور خوش دلی کے جذبے سے خرچ کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں اطمینان پاتا ہے اور یہ چیز مجرب ہے۔

6. زکوٰۃ روزِ قیامت کی گرمی سے نجات دے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر شخص روزِ قیامت اپنے صدقے کے سائے تلے ہو گا۔ (مسند احمد)

7. وہ حسی اور معنوی لحاظ سے مال کو بڑھاتا ہے، پس جب انسان اپنے مال میں سے صدقہ کرتا ہے تو یہ اس کو آفتوں سے بچاتا ہے، اور بسا اوقات اللہ جل جلالہ اس صدقے کی وجہ سے اس شخص کے لئے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس کا رزق بڑھا دیتا ہے اس لئے حدیث میں آیا ہے: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ (مسلم: ۲۵۸۸/ ۶۹ [۲۵۹۲])

8. یہ نزولِ خیر و برکات کا ذریعہ ہے، حدیث میں آیا ہے: ((وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ)) جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو وہ بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ (المستدرک)

9. زکوٰۃ بری موت سے بچاتی ہے۔ یہ آسمان سے اترنے والی بلاؤں سے ٹکراتی ہے اور انہیں زمین پر پہنچنے نہیں دیتی۔ یہ خطاؤں کو ختم کر دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ، كَمَا تُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ)) صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ (سنن الترمذی)

سوال نمبر ۴: حج کا فلسفہ کیا ہے؟ نیز اسکے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان کریں۔

جواب: حج کے لغوی معنٰی "قصد و ارادے" کے ہیں۔ جب کہ شرعی طور پر مکۃ المکرمۃ میں ذوالحجہ کے مخصوص ایام (9 ذوالحجہ سے 13 ذوالحج)، مخصوص مقامات اور مخصوص مناسک یعنی آداب و رسوم حج کو مخصوص لباس میں ادا کرنا حج کہلاتا ہے۔ حج ۹ ہجری کو فرض ہوا۔

فلسفۂ حج: اللہ تعالی نے جتنی بھی عبادات فرض کی ہیں ان کے مقاصد، حکمتیں، فوائد و ثمرات اور اسرار و رموز سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ حج ارکانِ اسلام میں سے ایسا رکن ہے جس میں باقی ساری عبادات کی روح کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ بقیہ ساری عبادات کا مقصد وحید قربِ الٰہی ہے لیکن حج میں دیوانگی اور عاشقانہ کیفیت اسے باقی تمام عبادات سے ممتاز کرتی ہے۔

حج میں مرکزیت اور اجتماعیت کا راز مضمر ہے۔ یہ عظیم عبادت امتِ مسلمہ کو وحدت اور اخوت کا درس دیتی ہے۔ یہاں امیر و غریب، شاہ و گدا سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور اونچ نیچ، ذات پات، رنگ و نسل کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔

حج کے انفرادی فوائد:

1. جسم کی طہارت تو وضو اور غسل سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن انسان روح اور جسم کا مرکب ہے اس لئے روح کی بالیدگی، تصفیۂ باطن، تزکیۂ نفس اور تجلیۂ روح بھی ضروری ہے جو صرف اور صرف ایسی عبادت سے ممکن ہے جس میں تمام عبادات کو جمع کر دیا گیا ہو اور وہ حج ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حج کے بارے فرمایا: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس نے نہ فحش بات کی اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا تو اس دن کی طرح (گناہ سے پاک وصاف) ہو گا جس دن سے اس کی ماں نے جنا تھا۔

2. حج امام الانبیاء سید المرسلین کے حالات اور ان مقامات کو جو عظیم ترین مقامات ہیں یاد دلاتا ہے، اور یہ یاد اعلیٰ ترین یادوں میں سے ہے کیونکہ وہ عظیم ترین رسولوں ابراھیم و محمد ﷺ کے حالات اور ان کی عظیم الشان یادگاروں، اور ان کی بہترین عبادتوں کی یاد دلاتا ہے، وہ رسولوں پر ایمان لانے والا، اور ان کی تعظیم کرنے والا ہے، ان کے بلند مقامات سے متاثر اور ان کی اور ان کا آثار حمیدہ کی اقتداء کرنے والا ہے، ان کے مناقب و فضائل کو یاد کرنے والا ہے، چنانچہ اس سے بندہ کا ایمان اور یقین بڑھ جاتا ہے

3. حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے نفس صاف ہوتا ہے، خرچ کرنے کا عادی بنتا ہے، مشقتیں برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، زینت اور تکبر چھوڑنے کا عادی ہوتا ہے۔

4. حج کا یہ فائدہ بھی ہے کہ آدمی حج میں خود کو دوسروں کے برابر محسوس کرتا ہے، اور وہاں نہ کوئی بادشاہ ہے نہ غلام، نہ کوئی مالدار ہے نہ فقیر، بلکہ سب برابر ہیں

5. حج کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ سفرِ حج میں مختلف شہروں میں آنے جانے سے وہاں کے باشندگان کا حال، اور ان کے عادات و تقالید کا علم حاصل ہوتا ہے

6. حج کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اس عظیم اجتماع کی یاد دلاتا ہے جو میدان حشر میں ہو گا۔ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (سورة المطففين: 6) "جس دن لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، ننگے پاؤں، ننگے بدن ہوں گے

7. یہ فائدہ بھی کہ نفس، اہل وعیال کی جدائی کا خوگر ہو جائے، کیونکہ ان سے جدا ہونا تو بہر حال ضروری ہے، لیکن اگر ان سے اچانک جدائی ہو جائے تو جدا ہوتے وقت بڑا عظیم صدمہ پہونچتا ہے۔

8. حج کا ایک فائدہ یہ بھی کہ جب حاجی سفر کا ارادہ کرتا ہے تو دوران سفر کی تمام ضروریات کے لیے توشہ جمع کرتا ہے، اس طرح اس کو سفرِ آخرت کے لئے بھی توشہ اکٹھا کرنا چاہئے، جو نہایت طویل سفر ہے، جہاں جا کر واپسی نہیں ہے، یہاں تک کہ اللہ اولین و آخرین سب کو جمع کر دے، حاجی اپنے سفرِ حج کے دوران اجنبی شہروں میں اپنی ضروریات کا سامان پا سکتا ہے، لیکن سفر آخرت میں جن چیزوں کا وہ محتاج ہو گا ان میں صرف وہی پائے گا جسے اس نے دنیا میں اپنی آخرت کے لیے جمع کیا ہو گا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے " وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ (البقرہ: 197)

"اور اپنے ساتھ زاد سفر لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے"۔

9. حاجی اللہ پر توکل کا عادی ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جن چیزوں کی اسے سفر حج میں ضرورت ہے ان سب کو اپنے ساتھ لے جائے، لہٰذا جتنا ساتھ لے جا سکا اس میں اور نہ لے جا سکا اس میں اللہ پر توکل کرنا ضروری ہے، اس طرح جن چیزوں کی اسے ضرورت ہے سب میں اللہ پر توکل کا وہ عادی ہو جاتا ہے

10. جب حاجی احرام باندھتا ہے، تو زندوں کا سلا ہوا لباس اتار کر مردوں کے لباس کے مشابہ لباس پہنتا ہے، اس طرح وہ اپنے آگے کی منزل کی تیاری کرتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے بہت سے فوائد ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

حج کے اجتماعی فوائد:

ملت اسلامیہ کی شان و شوکت کا اظہار: حج کا یہ عظیم الشان اجتماع ملت اسلامیہ کی شان و شوکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان رنگ و نسل، قوم و وطن کے امتیازات سے بلند و بالا ہو کر ایک ہی کلمہ لبّیک اللھم لبّیک دہراتے ہیں۔ ایک ہی کیفیت میں سرشار اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے جا رہے ہوتے ہیں تو گویا وہ اللہ تعالی کے فداکار سپاہیوں کی ایک فوج معلوم ہوتے ہیں۔

پیچیدہ مسائل کی کنجی: حج کے موقع پر دنیا بھر کے علماء محققین سائنسدان، سیاست دان، تاجر، قانون دان، اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ جمع ہوتے ہیں تو وہ حج کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے ملکی اور عالمی پیچیدہ مسائل پر افہام و تفہیم کر کے ملت اسلامیہ کے لئے بہتر لائحہ عمل تجویز کر سکتے ہیں۔ اس طرح حج ایک عالمی اسلامی کانفرنس بھی ہے

مساوات اور اخوت کا فروغ: حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں مساوات کا عملی مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے، حج اتحاد بین المسلمین کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

اقتصادی و معاشی فوائد: ممکن ہے کوئی یہ تصور کرے کہ حج کو اقتصادی مسائل کے ساتھ کیا کام ہے؟ لیکن تھوڑی سی توجہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ آج مسلمانوں کی بنیادی مشکل، اسلام کے دشمنوں کے ساتھ اقتصادی وابستگی ہے۔ حج کے مراسم کے ساتھ ساتھ دنیا کے اقتصادی ماہروں سے بڑے سے بڑے سمینار اور پروگرام منعقد کئے جاسکتے ہیں۔ اس طریقے سے مسلمانوں کو استعمار سے نجات مل سکتی ہے۔ اسی طرح مختلف ممالک سے آنے والے حجاج خرید و فروخت کے ذریعے معاشی نفع بھی حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ البقرہ: 198) ترجمہ: اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں اگر تم (زمانہ حج میں تجارت کے ذریعے) اپنے رب کا فضل (بھی) تلاش کرو

سوال نمبر 5: جہاد اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس کی قسمیں اور فضائل بیان کریں۔

الجواب: جہاد کا لغوی معنیٰ: لفظِ "جہاد" کا مادۂ اشتقاق "ج، ہ، د" ہے، اور جُہد کے لغوی معنیٰ کوشش کرنا کے ہیں۔

جہاد کا شرعی مفہوم: شرعی اصطلاح میں جہادِ اسلامی اس کوشش کا نام ہے جس میں اعلائے کلمۃ اللہ یعنی دینِ حق کی سربلندی اور اشاعت مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ صحیح بخاری۔ ترجمہ "جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے لڑا وہ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) ہے

اقسام جہاد: شریعتِ اسلامیہ کی رو سے جہاد کی بنیادی دو قسمیں ہیں ۱: جہاد بالنفس
۲: جہاد بالطاغوت ، پھر جہاد بالطاغوت کی مزید چار اقسام ہیں۔

جہاد بالنفس: جہاد بالنفس بندۂ مومن کیلئے نفسانی خواہشات سے مسلسل اور صبر آزما جنگ کا نام ہے۔ یہ وہ مسلسل عمل ہے جو انسان کی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط ہے۔ شیطان براہ راست انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر نفس کو مطیع کر لیا جائے اور اس کا تزکیہ ہو جائے تو انسان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا" بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے" اور ترمذی کی روایت ہے اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ بِالنَّفْسِ "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے"۔ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کو نبی اکرم ﷺ نے "جہادِ اکبر" کا نام دیا ہے۔

جہاد بالطاغوت: (شیطانی قوتوں کے خلاف جہاد) ہر وہ قوت جو اللہ کے بندوں کو اسکی بندگی سے دور کر رہی ہو 'طاغوت' کہلاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ (سورۃ النسآء: 76) ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں (نیک مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں (طاغوتی مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں، پس (اے مؤمنو!) تم شیطان کے دوستوں (یعنی شیطانی مشن کے مددگاروں) سے لڑو۔

باطل یعنی طاغوت سے جہاد کی پھر پانچ اقسام ہیں: ۱: جہاد بالسیف ۲: جہاد بالمال ۳: جہاد بالقلم ۴: جہاد باللسان ۵: جہاد بالعمل

جہاد بالسیف: (تلوار / ہتھیار): یہ جہاد میدان جنگ میں کافروں اور دین کے دشمنوں کے خلاف اس وقت صف آراء ہونے کا نام ہے جب دشمن سے آپ کی جان مال یا آپ کے ملک کی سرحدیں خطرے میں ہوں۔ اگر کوئی کفر کے خلاف جنگ کرتا ہوا مارا جائے تو قرآن کے فرمان کے مطابق اسے مردہ نہ کہا جائے بلکہ حقیقت میں وہ زندہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں، (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔"

جہاد بالسیف کو جہاد بالقتل اور جہاد بالجسم بھی کہتے ہیں، اسکی مزید دو قسمیں ہیں۔
۱: مدافعانہ جہاد ۲: مصلحانہ جہاد

الف: مدافعانہ جہاد: اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک کے مسلمانوں پر اپنے دین و ایمان، جان و مال، اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مسلمان ممالک اور اسلامی معاشرے کو غیر مسلموں کے تسلط سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد شمار ہو گی۔ مدافعانہ جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ریاست کی مسلمان رعایا پر محض اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے تو عالم اسلام اسے ظلم و ستم سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

ب: مصلحانہ جہاد: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد دینِ حق کا قیام بتایا ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (سورۃ التوبہ: 33) ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ الانفال: 39) ترجمہ: اور (اے اہلِ حق!) تم ان (ظلم و طاغوت کے سرغنوں) کے ساتھ (قیامِ امن کے لیے) جنگ کرتے رہو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ (باقی) نہ رہ جائے اور سب دین (یعنی نظامِ بندگی و زندگی) اللہ ہی کا ہو جائے۔

۲: جہاد بالمال: اپنے مال کو دین کی سربلندی کی خاطر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جہاد بالمال کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دین کی اشاعت کے لئے مال خرچ کرنے کو بھی جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس جہاد کا حکم ان الفاظ میں آیا ہے وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ: ۴۱) ترجمہ:۔ اور اپنے اموال اور جانوں کے ذریعہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔

۳: جہاد بالقلم: یہ وہ جہاد ہے جس کے ذریعے قرآن و سنت پر مبنی احکامات کا علم پھیلایا جاتا ہے تاکہ کفر و جہالت کے اندھیرے ختم ہوں اور دنیا رشد و ہدایت کے نور سے معمور ہو جائے۔ قلم کے ساتھ اور تحریر کے ساتھ باطل کے دلائل کا رد کرنا اور دینِ حق کو دلائل و براہین سے پیش کر کے اسے غالب کرنے کی کوشش کرنا جہاد بالقلم ہے۔

۴: جہاد باللسان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ (سورۃ النحل: 125) ترجمہ: ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔ جہاد باللسان اس حدیث پاک میں بھی واضح ہے: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ".. رواہ مسلم۔ (تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو

اس کو ہاتھ سے (قوت سے) روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے (اور یہ بدی کو محض دل سے برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

۵: جہاد بالعمل : جہاد بالعمل کا تعلق ہماری زندگی سے ہے۔ اس جہاد میں قول کے بجائے عمل اور گفتار کی بجائے کردار کی قوت سے معاشرے میں انقلاب برپا کرنا مقصود ہے۔ جہاد بالعمل ایک مسلمان کیلئے احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے اور اپنی زندگی کو ان احکام کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔

قرآنِ حکیم میں جہاد کے فضائل:

1. فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً (سورۃ النساء:95) ترجمہ: اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے
2. وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (سورۃ النساء:74) ترجمہ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرے، خواہ وہ (خود) قتل ہو جائے یا غالب آجائے تو ہم (دونوں صورتوں میں) عنقریب اسے عظیم اجر عطا فرمائیں گے
3. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (سورۃ الحجرات:15) ترجمہ: ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔
4. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (سورۃ الصف:4) ترجمہ :بیشک اللہ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں (یوں) صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں

احادیث میں جہاد کے فضائل:

1. حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا[عمل افضل ہے] ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (بخاری۔ مسلم)
2. رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قسم ہے اللہ کی جس کی مٹھی میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے ایک صبح یا ایک شام کا سفر دنیا ومافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابل آکر ٹھہرے رہنے کا ثواب گھر میں ستر نمازوں سے زیادہ ہے۔"
3. أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ حضرت ابو سعید خدری (رض) بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات (کہنا) ہے۔ (سنن ابن ماجہ)
4. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا حضرت ابو ہریرہ (رض) سے مروی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ایک صبح یا شام اللہ کی راہ میں جہاد کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ (مسند احمد)

سوال ۲: اولاد کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کریں۔

الجواب: اولاد کے حقوق دراصل والدین کی ذمہ داریوں کا نام ہے جبکہ اولاد کے فرائض، والدین کے حقوق کہلاتے ہیں۔ اس سوال کی روشنی میں اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف:۔ اولاد کے حقوق (والدین کے فرائض)

ب:۔ اولاد کے فرائض (والدین کے حقوق)

اولاد کے حقوق (والدین کے فرائض): حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل انسان کی سنگ دلی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کو انانیت یا مفلسی کی بھینٹ چڑھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ رومی والد کو اپنی اولاد قتل کرنے کا حق تھا، کبھی لوگ دیوتاؤں کی خوشنودی کی خاطر بچوں کو قربان کر دیتے۔ حضور اکرم ﷺ نے حقوق اولاد پر بڑا زور دیا جس سے اولاد کو اپنے والدین سے محبت و شفقت کی نعمت ملی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں متعدد احکامات اولاد کے حقوق کے بارے ملتے ہیں مثلاً۔

1. **تحفظِ حیات** : الف: اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد کی رسم پر کاری ضرب لگائی اور فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (سورۃ بنی اسرائیل:31) ترجمہ: اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں (بھی) روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

ب: جو لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے ان کی اس بری رسم کی اس طرح مذمت کی وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (سورۃ التکویر:9-8) ترجمہ: اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھی۔

حدیث نبوی ﷺ: ایک صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شرک" انہوں نے دریافت کیا' اس کے بعد' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" والدین کی نافرمانی" عرض کیا' اس کے بعد' ارشاد ہوا: "تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے کھانے میں حصہ بٹائے گی"

2. **پرورش کا حق (بنیادی ضروریات زندگی):** اسلام نے پرورش اولاد والدین کی ذمہ داری میں داخل کیا ہے۔ پیدائش کے بعد اذان واقامت، تحنیک (گڑھتی دینا)، اچھا نام رکھنا، عقیقہ کرنا، لڑکے کی صورت میں ختنہ کروانا اور رضاعت کے ایام میں دودھ پلانا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَي الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرۃ:233) ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے۔

حدیث نبوی ﷺ: ترمذی شریف میں روایت ہے "جس آدمی کے گھر دو لڑکیاں پیدا ہوں وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے اور بالغ ہونے پر ان کا نکاح کرے وہ اور میں جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہیں" مزید فرمایا "بیٹی کی پرورش والدین اور جہنم کے درمیان پردہ ہے"

3. **محبت و شفقت:** پیار و محبت اولاد کا حق ہے۔ ان کو کھانے پینے، رہائش اور علاج کے علاوہ شفقت و محبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے بچے کی شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے نواسے حسنؓ سے اظہارِ شفقت و محبت کرتے ہوئے ان کا بوسہ لے رہے تھے تو اقرع بن حابس نامی ایک اعرابی بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا۔ اس نے فخریہ انداز میں کہا یا رسول

اللہ ﷺ میرے دس بچے ہیں مگر میں کسی کا بوسہ نہیں لیتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے شفقت کو نکال لیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں" (بخاری و مسلم)

4. **تعلیم و تربیت:** بچوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت بھی ان کا حق ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ جہاں وہ اپنی اولاد کو روزی کمانے کے قابل بنانے کی تدبیر کرتے ہیں وہاں ان میں فکرِ آخرت بھی پیدا کریں اور عملِ صالح کی تربیت کریں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں راہِ ہدایت پر رکھنے کے لئے بڑے بلیغ انداز میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورۃ التحریم:6) ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

5. **مساوات:** اگرچہ بیاہ شادی، نکاح میں رضامندی، اور حق وراثت پر بھی اولاد کے حقوق متعین کئے گئے ہیں جن کے اظہار کے لئے وقت متحمل نہیں، لیکن حقِ عدل و مساوات کو بیان کئے بغیر چارہ نہیں، تہوار ہو یا شادی، وراثت کی تقسیم ہو یا جیب خرچ اور تحفے تحائف، اولاد کے حقوق میں سے ہے کہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے۔ ایسا کرنے سے اولاد کے ذہن میں نفرت، احساسِ کمتری، بغض اور حسد جیسے جذبات پیدا ہوں گے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے دو لڑکے ہیں، میرا ارادہ ہے کہ ان میں سے ایک کو اونٹ کا تحفہ دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا" یا تو دونوں لڑکوں کو تحفہ دو یا پھر کسی کو نہ دو، ورنہ وہ تحفہ اس لڑکے کو جہنم میں لے جائے گا" ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو وہ اس کو زندہ باقی رہنے دے، اس کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے، اس پر لڑکے کو ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اولاد کے فرائض (والدین کے حقوق): معاشرے میں انسان کو جن ہستیوں سے سب سے زیادہ مدد ملتی ہے وہ والدین ہیں جو محض اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ ہی نہیں بنتے بلکہ اس کی پرورش اور تربیت کا بھی سامان کرتے ہیں۔ دنیا میں صرف والدین ہی کی ذات ہے جو اپنی راحت اولاد کی راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ ان کی شفقت رحمتِ باری تعالیٰ کا وہ سائبان ثابت ہوتی ہے جو انہیں مشکلاتِ زمانہ کی دھوپ سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے۔ انسانیت کا وجود اللہ تعالیٰ کے بعد والدین ہی کا مرہونِ منت ہے۔ قرآنِ پاک میں متعدد مقامات پر اولاد کے فرائض یعنی والدین کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

1. حسنِ سلوک
2. ادب و احترام
3. اطاعت و فرمانبرداری
4. خدمت گذاری
5. ناراضگی سے بچنا
6. دعائے مغفرت
7. شکر گذاری
8. والدین کے رشتہ داروں سے حسن سلوک
9. ضروریات زندگی پوری کرنا

حسنِ سلوک: والدین سے حسنِ سلوک کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳) ترجمہ: اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو

ادب و احترام: والدین کے حقوق میں سے ایک یہ بھی حق ہے کہ اولاد ان سے ادب و احترام سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (سورۃ بنی اسرائیل ۲۴) ترجمہ: اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز و انکساری کے بازو جھکائے رکھو

اسی طرح: إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (سورۃ بنی اسرائیل:۲۳) ترجمہ: اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں "اُف" بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔

فرماں برداری و خدمت گذاری: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کا نافرمان جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے بوڑھے والدین کی خدمت پر بہت زور دیا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کی صلاحیتیں اور توانائیاں اولاد پر صرف کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے اولاد کا فرض ہے کہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بن کر احسان شناسی کا ثبوت دے۔ ایک بار آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی محفل میں ارشاد فرمایا: "ذلیل و خوار ہوا، ذلیل و خوار ہوا، ذلیل و خوار ہوا، صحابہ کرام نے دریافت کیا کون؟ یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا:" وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر لی"

دعائے مغفرت: اولاد پر فرض ہے کو وہ والدین کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کر کے ان کا یہ حق بھی ادا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (سورۃ بنی اسرائیل ۲۴) ترجمہ اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔

اسی طرح ان کی وفات کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کے بارے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ بعد وفات بھی والدین کا کوئی حق ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں مرنے کے بعد ان کا یہ حق ہے کہ ان کے لئے دعا اور استغفار کی جائے۔ (مسند احمد) والدین چاہے زندہ ہوں یا وفات پا چکے ان کے لئے ہمیشہ دعا مانگنے کا حکم ہے۔ ہر نماز میں ہم دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (سورۃ ابراہیم: ۴۱) ترجمہ: اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو (بخش دے) اور دیگر سب مومنوں کو بھی، جس دن حساب قائم ہو گا۔

علامہ اقبالؒ نے اولاد کے فرائض یعنی والدین کے حقوق کو ایک شعر میں سمو دیا ہے

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

سوال نمبر ۷: اسلام نے عورت کو معاشرہ میں کیا مقام دیا ہے؟ اس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں بیان کریں۔

الجواب: اسلام نے ہر شکل میں عورت کو قابلِ احترام قرار دیا ہے۔ عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، بطور بیوی وہ ایمان کی محافظہ اور راحت و سکون کا سبب ہے۔ بطور بیٹی اس کی پرورش جنت کا ذریعہ ہے اور بطور بہن وہ قابلِ عزت ہے۔ جب کہ اسلام سے قبل عورت کی حالت بہت خراب تھی، ہندوستان میں عورت کو ستی کرنا (یعنی شوہر کی موت پر زندہ جلنا) مذہبی فریضہ تھا، عرب میں بچیوں کو زندہ دفن کرنا سوتیلی ماں کو باپ کی وفات پر اپنی بیوی بنالینا، عیسائیت میں عورت کے اندر روحِ انسانی کا انکار، بدھ مت اور جین مت میں عورت کو روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھنا، اور یہودیت میں عورت کو بدی کا مجسمہ کہا جاتا تھا۔ ان حالات میں اسلام نے عورت کا مقام متعین کیا۔

حقوق میں مساوات: اسلام نے مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات قائم کی۔

i. اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورۃ البقرۃ:223)
ترجمہ: اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔

ii. عورت کو مساوی حیثیت دی: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ البقرۃ: 187) ترجمہ: وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

iii. اسلام نے دختر کشی کی ممانعت کی بلکہ لڑکیوں کی پرورش اور تربیت کی بڑی فضیلت بیان کی، اس کا حقِ ملکیت تسلیم کرتے ہوئے فرمایا: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (سورۃ النساء:32) ترجمہ: مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔

iv. حقِ وراثت کے بارے فرمایا: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (سورۃ النساء: 9) ترجمہ: مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے

عورت کے حقوق:

i. معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے اور گھر کے سکون اور خوشحالی کا انحصار میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے۔ اور خوشگوار تعلقات تب ہی قائم ہو سکتے ہیں جب دونوں اطراف سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی جائے، جب ایک فرد اپنے فرائض پورے کرتا ہے تو دوسرے کے حقوق خود بخود پورے ہو جاتے ہیں۔

ii. نبی اکرم ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کو خیر اور اچھائی کا معیار بتایا۔ ارشاد ہوا: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔

iii. ایک بار ایک صحابیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو خود کھائے اسے کھلائے۔ جیسا خود پہنے ویسا اسے پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اسے برا بھلا کہے"

iv. اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے حقوق کے بارے فرمایا: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (سورۃ النساء:129) ترجمہ: پس (ایک کی طرف) پورے میلان طبع کے ساتھ (یوں) نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو (درمیان میں) لٹکتی ہوئی چیز کی طرح چھوڑ دو

v. شوہر کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیوی پر سختی نہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں کچھ خامیاں بھی پائی جائیں تو درگذر کرے اور اس کی خوبیوں کی قدر کرے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنی بیوی میں کوئی نقص دیکھو تو اس سے نفرت نہ کرو کیونکہ اگر غور سے دیکھو گے تو تمہیں اس میں کوئی اچھی بات نظر آجائے گی" ازدواجی زندگی کی کامیابی تحمل، درگذر اور باہمی عفو پر منحصر ہے۔ معمولی معمولی بات پر مشتعل ہو جانا اور طلاق تک نوبت پہنچانا گھریلو زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو نرمی، پیار وحکمت سے سمجھاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے اوپر کا حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے، اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی"

vi. **عورت کی ذمہ داری** اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو نیک بن کر رہنے کی ہدایت کی اور نیک بیویوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ (سورۃ النساء:34) ترجمہ: پس نیک بیویاں اطاعت شعار ہوتی ہیں شوہروں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں،

vii. آپ ﷺ نے فرمایا" بہتر بیوی وہ ہے جب اسے خاوند دیکھے تو خوش ہو جائے" (نسائی)

viii. مرد کو منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے بیوی بچوں کی کفالت اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی وہاں عورتوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مردوں کی وفادار اور اطاعت گذار بن کر رہیں۔ ایک مسلمان بیوی کے لئے شوہر کی جو حیثیت ہوتی ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے" اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

سوال نمبر ۸: مندرجہ ذیل کے حقوق وفرائض پر مختصر نوٹ لکھیں (رشتہ دار، ہمسائے، اساتذہ، غیر مسلم)

الجواب: رشتہ داروں کے حقوق وفرائض:

وہ تمام افراد جو والدین، اولاد اور شریک حیات کے بعد صلہ رحمی یعنی حسنِ سلوک کے مستحق ہیں رشتہ دار ہیں۔ قرآن مجید میں میں انہیں ذوی القربیٰ، ذوی الارحام کہا جاتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ اہل خانہ کے بعد زیادہ انہی خون کی رشتوں سے پڑتا ہے۔ اگر خاندان کے افراد ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں تو پورے خاندان میں محبت اور اپنائیت کی فضا قائم ہو گی، ان کی غیروں کے سامنے عزتِ نفس مجروح نہیں ہو گی اور نہ ہی وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوں گے، حقیقت یہی ہے کہ پورے خاندان کی ساکھ بھی متاثر نہیں ہوتی کیونکہ معاملہ اپنے خاندان تک ہی محدود رہتا ہے۔

1. قرآن میں رشتہ داروں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور ان کی امداد پر بڑا زور دیا گیا ہے فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ (سورۃ الروم:38) ترجمہ پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں۔
2. تعلق توڑنے والے کو نبی اکرم ﷺ نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ (بخاری) قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا
3. حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے یا اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔ (مسلم)
4. حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں رحمن ہوں اور وہ (صلہ رحمی) بھی رحم ہے اور میں نے اس کا نام اپنے (نام رحمن) سے رکھا ہے جو اسے ملائے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) میں اسے (اپنی رحمتوں سے) ہمکنار کروں گا اور جو اسے قطع کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے منقطع کروں گا۔ (ابوداؤد)

ہمسائے کے حقوق: ہمسایہ سے مراد ہم سایہ یعنی ایک ہی سایہ تلے رہنے والے افراد۔ انسان کی روزمرہ زندگی میں اپنے ہمسایوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جبرائیل ہمیشہ مجھے ہمسائے کے متعلق حکم پہنچاتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید اسے وارث بنا دیا جائے گا۔" (بخاری)

1. ارشادِ باری تعالیٰ ہے:وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ (سورۃ النساء:36) ترجمہ: اور بھلائی کرو نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس سے۔ اس آیت کی روشنی میں تین قسم کے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کی خصوصی تلقین فرمائی گئی ہے۔

ا: اول وہ پڑوسی جو رشتے دار بھی ہوں

۲: بغیر رشتے دار پڑوسی (خواہ وہ غیر مسلم ہوں)

۳: جن سے عارضی تعلقات قائم ہو جائیں۔ مثلاً ہم پیشہ، ہم جماعت، یا شریکِ سفر افراد

2. حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں عرض کیا گیا: یارسول اللہ کون؟ فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اس کی ایذارسانی سے محفوظ نہیں۔" بخاری

3. آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص مومن نہیں جو اپنے ہمسائے کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر ہو

4. اسی طرح فرمایا: تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے حق میں بہتر ہے۔

5. فرمایا: اگر پڑوسی کو مدد کی ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو دو، محتاج ہو جائے تو اس کی مالی امداد کرو، بیمار پڑ جائے تو علاج کرواؤ' اور مر جائے تو جنازے کے ساتھ قبرستان جاؤ اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔ اگر اسے کوئی اعزاز حاصل ہو تو اسے مبارکباد دو، اگر مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس سے ہمدردی کرو، بغیر اجازت اپنی دیوار اتنی اونچی نہ کرو کہ اس کے لئے روشنی اور ہوا رک جائے، کوئی میوہ یا سوغات وغیرہ لاؤ تو اسے بھیجو۔

6. ایک بار آپ ﷺ کی محفل میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گذار اور پرہیز گار ہے' دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے' لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" دوزخی ہے" اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عبادات) ادا کرتی ہے لیکن ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا" وہ جنتی ہے"

اساتذہ کے حقوق و فرائض:

معلم کی حیثیت "علم کی بارش" کی سی ہوتی ہے اور طلبہ کی "زمین" کی سی۔ جو زمین بارش کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بارش کے فیض سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ استاد کو اپنے پیشے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے ایک خصوصی نسبت ہے جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً (مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے)۔

استاد کے حقوق میں سے اطاعت و فرمانبرداری، خدمت گزاری، ادب و احترام، اعتماد، اور دعائے خیر بہت اہم ہیں، جب کہ اس کے فرائض میں سے شفقت و محبت، مثالی کردار کا حامل ہونا، وسعتِ علم، حسنِ نیت، ہمدردی و خیر خواہی، قول و فعل میں مطابقت، حکمت و موعظت، طلباء میں مساوات کا خیال، اور طلباء کو اخلاقی تربیت اور مقصدِ حیات کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ انہیں سوالات کا حق دے کر تشفی کرنا شامل ہے۔ استاد کے اعزاز و احترام کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا: تیرے تین باپ ہیں' ایک وہ جو تجھے عدم سے وجود میں لایا، دوسرا وہ جس نے تجھے اپنی بیٹی دی، تیسرا وہ جس نے تجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا"۔

غیر مسلموں کے حقوق: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ کافر اور مشرک ہرگز ہرگز مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے سے شہری حقوق عطا کرتا ہے اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورالمائدۃ:8) ترجمہ: اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے،

1. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہلِ کتاب کے علاوہ مشرکین (بت پرست اقوام) سے بھی جو برتاؤ رہا اس کی بھی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مشرکین مکہ وطائف نے آپ ﷺ پر بے شمار مظالم ڈھائے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کے ایک انصاری کمانڈر سعد بن عبادۃ نے ابوسفیان سے کہا: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ". آج لڑائی کا دن ہے۔" یعنی آج کفار سے جی بھر کر انتقام لیا جائے گا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور ان سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا اور ابوسفیان سے فرمایا: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ)". آج لڑائی کا نہیں بلکہ (آج رحمت کے عام کرنے) اور (معاف کردینے) کا دن ہے۔"

2. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔" (بیہقی)

3. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہماری حکومت کا اُصول یہی ہے کہ: مَنْ كَانَ لَهُ ذِمَّتُنَا فَدَمُهُ كَدَمِنَا وَدِيَتُهُ كَدِيَتِنَا". جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہی کی طرح ہے"

4. اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے ہوتا ہے: أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِداً أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اُس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔" (ابوداؤد)

سوال نمبر ۹: معاشرہ کی اسلامی تشکیل کے لئے کن امور کی پابندی ضروری ہے؟

الجواب: معاشرہ "عَاشَرَ يُعَاشِرُ" کا مصدر ہے۔ اس کے معنی مل جل کر رہنے کے ہیں۔ چونکہ معاشرہ کے معنی مل جل کر رہنے کے ہیں اس لئے معاشرہ سے مراد افراد کا وہ مجموعہ ہے جو باہم مل جل کر رہے۔ اجتماعیت کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے معاشرے مختلف بنیادوں پر قائم ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً برادری، قوم، زبان، مذہب اور جغرافیائی حدود وغیرہ۔

معاشرہ کی اسلامی تشکیل:

اسلامی معاشرہ کا معنی ہے ان لوگوں کا اکٹھا ایک جگہ زندگی گذارنا جو اسلام کے اصولِ زندگی کے تحت اکٹھے رہتے ہیں۔ جس معاشرے کو اسلامی تہذیب و تمدن کے عوامل یعنی اجزائے ایمان اور عناصرِ ارکان اسلام پر پابند کیا جائے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات پیدا کی جائیں وہ اسلامی معاشرہ کہلائے گا۔

اسلامی تشکیل معاشرہ کے لئے درج ذیل اقدام نہایت موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

1. اسلامی عقائد کی بنیاد پر فکری وحدت: سب سے پہلے افراد کے ذہنوں میں خدا کا صحیح تصور اور عقیدۂ آخرت کی اہمیت پر زور دیا جائے۔ نیز شرک سے اجتناب کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ تاکہ لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے افعال میں خداوند کریم کے سامنے جواب

دینی کے تصور کو مردہ نہ ہونے دیں اور صحیح نصب العین اور اعلیٰ وارفع اقدارِ حیات کے حصول کی خاطر کوشاں رہیں۔

2. **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام:** معاشرے کے اندر کسی ایسے ادارہ کی تشکیل کی جائے جو اصلاح وفساد کا تعین کرے اور ان تدابیر کو قابلِ عمل بنائے جن سے بگاڑ کی روک تھام ہو سکے۔ دینی نقطۂ نظر سے اس کو ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ امت مسلمہ کی خصوصیت میں یہی بات بیان فرمائی گئی ہے۔ کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران: ۱۱۵) "تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے۔" امت کے ایک گروہ کیلئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فریضہ قرار دیا ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔ (آل عمران: ۱۰۴) "تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھے کاموں کا حکم دے اور برائی سے روکے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

3. **صالح حکمران:** حکومت کو ان صالح لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جو خیر کو قائم کریں اور شر کو روک سکیں۔ "النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" ایک پرانا مقولہ ہے اور غالباً حدیث نبوی سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوْاَمَانِ لَا يَصْلُحُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا اِلَّا بِصَاحِبِهٖ فَالْاِسْلَامُ اُسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَّمَا لَا اُسَّ لَهٗ هَادِمٌ وَّمَا لَا حَارِسَ لَهٗ ضَائِعٌ (کنز العمال) اسلام اور حکومت و ریاست، دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو، گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے

4. **اجتماعی شعور کی بیداری:** معاشرے کا اجتماعی شعور بیدار کیا جائے کہ کوئی شخص بھی بگاڑ کی طرف مائل نہ ہو۔ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے وہ تمام صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ جو دورِ حاضر میں نشر و اشاعت کے کام میں لائی جاتی ہیں۔ مثلاً اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن مذاکرات وغیرہ کے ذریعہ سے دینی اقدار اور اسلامی طرزِ حیات کی تفہیم کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے، حقیقت یہ ہے کہ دورِ حاضر میں یہ ذرائع عوامی رجحانات کو بدلنے اور نیا رخ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرے کے اندر غلط رجحانات کی ترویج میں ان اداروں کا بڑا حصہ ہے۔

5. **مسجد کی مرکزی حیثیت:** معاشرے میں مسجد کی دینی اور سماجی حیثیت کو اجاگر کیا جائے اور اصلاح معاشرہ کے لئے مسجد کو مرکزی حیثیت دی جائے کیونکہ نظم اجتماعی کے لئے ایک مرکز کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک مسلم سوسائٹی مسجد سے اپنا تعلق مضبوط نہیں کرتی اور مسجدیں پورے معاشرے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیتوں کی حامل نہیں بن جاتیں، اس وقت تک اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

6. **اسلامی تعلیمی اداروں کا قیام:** تعلیمی ادارے معاشرے میں اہمیت کے حامل ہیں۔ معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی تشخص کے ارتقاء کا دارومدار تعلیمی اداروں پر ہے جہاں اساتذہ اہم کردار ادا کرسکتے ہیں اس لئے ایسے اساتذہ کا انتظام کیا جائے جو طالب علموں میں اسلامی اقدار کو راسخ کردیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں نصابات کی بھی جانچ پڑتال کی جائے اور ایسی تمام چیزیں جو روحِ دین کے منافی ہوں، ان کو پڑھاتے وقت تنقیدی طریقہ اختیار کیا جائے تاکہ طالب علم ان کی حقیقت سے واقف ہو جائیں، نیز ان اداروں میں بنیادی دینی تعلیمات کا انتظام کیا جائے تاکہ طلباء اسلام کی اصلیت اور اس کی روح سے مکمل واقفیت حاصل کرسکیں۔

7. **مساوات انسانی:** دولت اور وسائلِ دولت پر تصرف اس طرح ہو کہ معاشرے میں معاشی ناانصافی، اسراف، تبذیر، بخل وظلم اور ارتکازِ دولت نہ ہونے پائے۔ حکومت ان تمام ذرائع پر پابندی عائد کردے جو عوامی بہبود کے لئے ضرر رساں ہیں۔ معاشی نظام میں سود، احتکار واکتناز، رشوت اور لوٹ کھسوٹ کی تمام صورتیں قانوناً اور حکماً بند کردی جائیں تاکہ معاشرہ طبقاتی معاشرت کا شکار نہ ہو۔

8. **حدود و تعزیرات کا نظام:** معاشرے کی اصلاح کی خاطر حدود و تعزیرات کا نظام بھی قائم کیا جائے۔ جن کے ذریعے معاشرہ کو ان افراد سے محفوظ کیا جائے جو تعلیمی ترغیبات اور اخلاقی ذرائع سے اصلاح قبول نہ کریں اور معاشرے کے قانون کی خلاف ورزی کریں۔ حدود و تعزیرات کے نفاذ سے سماجی جرائم کا انسداد ہو گا اور معاشرہ غیر صالح عناصر کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہے گا۔

الغرض تعاون وایثار، رواداری، ہمدردی وخیر خواہی، برداشت، حلم وبردباری، عفو ودرگذر، اور نرم مزاجی بھی اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۰: محاسنِ اخلاق سے کیا مراد ھے؟ ایسے پانچ محاسن اخلاق تحریر کریں جن سے معاشرہ سنور سکتا ھے

الجواب: "اخلاق" 'خُلق' کی جمع ہے، خَلق اور خُلق دراصل ایک ہی ہیں لیکن خَلق مخصوص ہے ظاہری شکل وصورت سے اور خُلق کو مخصوص کردیا گیا باطن اور کردار سے۔ لہٰذا اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر بہترین کام انجام دینے کو خُلق کہا جاتا ہے، ایک انسان کی اچھی صفات جو اسلامی معاشرے میں قدر اور تعریف کی نگاہ سے دیکھی جائیں محاسنِ اخلاق کہلاتی ہیں۔ محاسن اخلاق میں سے چند ایک یہ ہیں:

دیانت داری	ایفائے عہد	سچائی	عدل وانصاف	احترام قانون
کسب حلال	ایثار	امانت و دیانت	بردباری	پاک دامنی
شرم وحیا	رازکا محافظ	قناعت پسند	مھمان نواز	رحم دل

دیانت داری: معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لئے دیانت یعنی ایمانداری ایک بنیادی شرط ہے۔ دیانت کے فقدان سے گھریلو تعلقات سے لیکر کاروبار تک ہر جگہ عدم اعتماد کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

1. ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (سورۃ النساء:58) ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔
2. جو لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب قرار دئے جائیں گے ان کی صفات بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (سورۃ المؤمنون:8) ترجمہ: اور وہ لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔
3. حضور ﷺ خود بھی اعلانِ نبوت سے پہلے "الامین" یعنی دیانت دار کے لقب سے جانے جاتے تھے اور آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرتے وقت اپنی جان کے دشمنوں کی بھی امانتیں واپس کرنے کا باقاعدہ انتظام کیا۔ آپ ﷺ نے دیانت کے مفہوم کو تجارتی کاروبار سے بڑھا کر تمام حقوق العباد کی ادائیگی تک وسعت دی حتیٰ کہ فرمایا: "اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ" محفل میں کی جانے والی باتیں بھی امانت ہیں" یعنی ایک جگہ کی بات سن کر دوسری جگہ جا سنانا بھی بددیانتی میں شامل ہے۔
4. مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانتیں سمجھیں۔ اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کا حساب دینا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے فرمایا: قَالَ لَا يَجْتَمِعُ الْاِيْمَانُ وَالْكُفْرُ فِيْ قَلْبِ امْرِئٍ وَلَا يَجْتَمِعُ الصِّدْقُ وَالْكَذِبُ جَمِيْعًا وَلَا تَجْتَمِعُ الْخِيَانَةُ وَالْاَمَانَةُ

جمیعا (ایک آدمی کے دل میں ایمان اور کفر جمع نہیں ہو سکتے جھوٹ اور سچ ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے اور خیانت اور امانت ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔) مسند احمد

5. دیانت کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث پاک سے ہوتا ہے فرمایا: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ ((اس شخص کا ایمان نہیں جس کے پاس امانت داری نہ ہو اور اس شخص کا دین نہیں جس کے پاس وعدہ کی پاسداری نہ ہو۔))

ایفائے عہد: "ایفا اور وفا" کا معنیٰ پورا کرنا، پاسداری کرنا ہے جب کہ عہد کے معنیٰ "قول و قرار اور وعدہ" کے ہیں۔ یعنی اپنے قول و قرار کی پاسداری اور وعدے کی پابندی کو ایفائے عہد کہتے ہیں۔ یہ وعدہ الست سے شروع ہو کر، کلمہ طیبہ سے ہوتا ہوا باہمی لین دین اور بین الاقوامی معاملات تک وسیع ہے۔

اہمیتِ ایفائے عہد: مسلمان کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے۔

1. سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ خلافی کرنے والوں کو اپنی محبت سے محروم کر دیا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ بیشک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔
2. سورۃ المآئدۃ میں حکم دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو
3. سورۃ الاسرا میں فرمایا: وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ اور وعدہ پورا کیا کرو، بیشک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہو گی
4. سورۃ الرعد میں شدید وعید فرمائی: وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اور جو لوگ اللہ کا عہد اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان تمام (رشتوں اور حقوق) کو قطع کر دیتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں انہی لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔
5. جب سہیل بن عمرو نے (حدیبیہ میں کفار قریش کی طرف سے معاہدہ صلح) لکھوایا تو جو شرائط نبی کریم ﷺ کے سامنے سہیل نے رکھی تھیں، ان میں یہ شرط بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص اگر آپ کے یہاں (فرار ہو کر) چلا جائے خواہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو تو آپ کو اسے ہمارے حوالہ کرنا ہو گا۔ مسلمان یہ شرط پسند نہیں کر رہے تھے اور اس پر انہیں دکھ ہوا تھا۔ لیکن سہیل نے اس شرط کے بغیر صلح قبول نہ کی۔ آخر آپ ﷺ نے اسی شرط پر صلح نامہ لکھوالیا۔ اتفاق سے اسی دن حضرت اَبُو جَنْدَل کو جو مسلمان ہو کر آئے تھے (معاہدہ کے تحت) واپس کر دیا گیا۔
6. حدیث بخاری: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ آپ ﷺ کہ منافق کی تین پہچانیں ہیں جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔
7. فرمانِ نبوی ﷺ ہے: وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ اور جو قوم عہد توڑتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ دشمن مسلط کر دیتا ہے۔
8. ایفائے عہد کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث پاک سے ہوتا ہے فرمایا: لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ ((اس شخص کا دین نہیں جس کے پاس وعدہ کی پاسداری نہ ہو۔))
9. ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا ایک وہ جو میرا نام لے کر عہد کرے پھر توڑ دے دوسرے وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی تیسرے وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا کام پورا کیا لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔ (صحیح بخاری)
10. نبی اکرم ﷺ نے بے وفا کو غداری سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: "قیامت کے دن ہر غدار کے لئے ایک جھنڈا نصب ہو گا جو اس کی بے وفائی کا نشان ہو گا"۔ (صحیح بخاری)

سچائی: "صدق" (حق گوئی) قول، فعل اور عمل کو بغیر تبدیل کئے اصل صورتِ حال کے اظہار کا نام سچائی ہے۔ صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رچی بسی ہو۔

اہمیت: مسلمان کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے۔

1. اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو
2. سچائی اتنی اچھی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا سورۃ النسآء میں ذکر فرمایا: وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾ اور اللہ سے بات میں زیادہ سچا کون ہے
3. سورۃ التوبہ میں سچے لوگوں کی سنگت کا حکم دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو
4. جھوٹے کا انجام بیان فرماتے ہوئے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا: وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ اور زبان سے جھوٹ بولتے جاتے ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے اور یہ دوزخ میں سب سے آگے بھیجے جائیں گے۔
5. نبی اکرم ﷺ نے بھی سچائی کو نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا: اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ سچائی انسان کو ہر آفت سے محفوظ رکھتی ہے اور جھوٹ اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔
6. اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے
7. رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: أَلَا إِنَّ الصِّدْقَ وَالْبِرَّ فِي الْجَنَّةِ أَلَا إِنَّ الْكَذِبَ وَالْفُجُورَ فِي النَّارِ یاد رکھو! سچائی جنت میں ہے اور جھوٹ اور گناہ جہنم میں۔
8. رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ۔ سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔ (جامع ترمذی)

9. حضرت ابو سعید خدری مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے تمام اعضاء اس کی زبان سے التجاء کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈر ہم بھی تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہو گی تو ہم سب سیدھے ہوں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے (جامع ترمذی)۔
10. رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص مجھے زبان (یعنی سچائی) اور شرم گاہ کی ضمانت دیتا ہے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں (جامع ترمذی)

عدل و انصاف: جو کسی کا حق ہو وہ اس کو پورا پورا مل جائے اسے عدل و انصاف کہتے ہیں ، ہر معاشرہ عدل کی بنیاد پر ہی قائم رہ سکتا ہے ، ورنہ طاقت ور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھنے لگ جائے گا اور کمزور ہمیشہ اپنی مظلومیت کو اپنا مقدر سمجھ کر ظلم کو برداشت کرتا رہے گا۔ اسلام نے انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان نفرت کی دیوار کو توڑ دیا اور محکوم و مظلوم کو عدل و انصاف فراہم کیا۔

1. مساواتِ انسانی کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔ (سورۃ المآئدۃ:8)
2. وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا۟ بِٱلْعَدْلِ ترجمہ: اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو (سورۃ النسآء:58)
3. اللہ تعالیٰ نے انصاف کا حکم ان الفاظ میں دیا: قُلْ أَمَرَ رَبِّى بِٱلْقِسْطِ ترجمہ : فرما دیجئے: میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے (سورۃ الاعراف :29)
4. اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ (سورۃ النحل:90) ترجمہ : بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے

نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ نے قبیلہ بنی مخزوم کی عورت کی سے متعلق فرمائے۔ حضرت عائشہ (رض) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ (امرائے) قریش ایک مخزومی عورت کے معاملہ میں بہت ہی فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی (اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا تھا) وہ لوگ کہنے لگے کہ اس سارقہ کے واقعہ کے متعلق کون شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت کرے بعض لوگوں نے کہا اسامہ بن زید جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہیتے ہیں اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں ان لوگوں نے مشورہ کر کے اسامہ بن زید کو اس بات پر مجبور کیا چنانچہ اسامہ نے جرأت کر کے اس واقعہ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کیا جس پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے چہیتے اسامہ سے کہا کہ تم اللہ کی قائم کردہ سزاؤں میں سے ایک حد کے قیام کے سفارشی ہو یہ کہہ کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھڑے ہو گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے قسم ہے اللہ کی! اگر فاطمہ (رض) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں۔ (صحیح بخاری)

5. اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف دیا اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد نظام عدل کا قیام ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے سلطانِ عادل کو اللہ کا سایہ قرار دیا۔

احترامِ قانون: قانون معاشرے کے تمام افراد کے لئے ایک ایسا نظام ہوتا ہے کہ جس کو کسی ادارے ، حکومت یا معاشرے کی جانب سے انسانوں کو منظم کرنے اور حدود کا پابند کرنے کے لئے نافذ کیا جاتا ہے۔ لہذا انسان پر جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرنا بلکہ ان پر عمل کرنا احترام قانون کہلاتا ہے۔ اور ان پابندیوں پر عمل نہ کرنا لا قانونیت کہلاتا ہے جس کی بنیادی طور پر دو وجوہ ہیں

۱::::: خود غرضی اور مفاد پرستی ۲::::: اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا

نظام فطرت جیسے سورج، چاند، دن ، رات، ستارے، ہوائیں، پانی کا بہاؤ سب ہی قانونِ فطرت کے مطابق چل رہے ہیں، اگر یہ اپنے رستوں سے انحراف کر لیں، ہوا میں آکسیجن کا توازن بگڑ جائے ، یا سورج زمین کے مزید نزدیک آجائے ، یا چاند دور چلا جائے تو سارا نظام بگڑ جائے گا اور تباہی و بربادی پھیل جائے گی۔

احترام قانون کی اہمیت: مسلمان کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے

1. قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ (سورۃ النسآء:۵۹) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبانِ امر کی۔
2. اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ قوانین جنہیں حدود اللہ کہتے ہیں کے مطابق فیصلہ کرنے اور انہیں نافذ کرنے کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی: فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ (سورۃ المائدہ : 48) ترجمہ::: پس آپ ان کے درمیان ان (احکام) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔
3. حدود اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی احکامات و قوانین کا احترام نہ کرنے والوں کو اپنی محبت سے محروم رکھا: وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝ (سورۃ البقرہ: 190) ترجمہ::: حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔
4. نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص امیر کی اطاعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا“ (بخاری و مسلم) اس حکم کی مزید وضاحت یہ ہے کہ ”تم پر امیر کا حکم سننا اور ماننا لازم ہے تاوقتیکہ وہ کسی گناہ کا حکم نہ دے۔
5. قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کی چوری کے معاملہ میں قانون کے احترام کو اپنے ان الفاظ سے تائید دی جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں ”اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا“ (بخاری)
6. قاضی شریح تابعی تھے، ان کی عدالت میں وقت کے امیر المؤمنین ہونے کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ اپنی زرہ گم ہونے کا مقدمہ یہودی کے خلاف لیکر پیش ہوتے ہیں، اور اپنے بیٹے حسن اور غلام قنبر کی گواہی رشتہ و قرب کی بنیاد پر قبول نہ ہونے سے مقدمہ سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ احترام قانون کی عمدہ ترین مثال ہے، اس احترام قانون نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (مجلۃ الاحکام العدلیہ، ابو بکر جصاص)

کسبِ حلال: کسب کا معنیٰ ”کمانا“ اور حلال ”جائز“ یعنی جائز ذرائع سے روزی کمانے کو کسبِ حلال کہتے ہیں۔

کسبِ حلال کی اہمیت: مسلمان کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے

1. اللہ تعالیٰ نے حلال اشیاء کے بارے عام انسانوں کو مخاطر کر کے فرمایا: يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (سورۃ البقرہ:168) ترجمہ: اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ۔

2. مومنوں کو حکم دیا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (سورۃ البقرہ : 172) ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

3. اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ رسولوں کو بھی حکم دیا: يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ﴿٥١﴾ (سورۃ المومنون : 51) ترجمہ:::: اے رُسُلِ (عظام !) تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو (جیسا کہ تمہارا معمول ہے) اور نیک عمل کرتے رہو۔

4. عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (بیہقی، شعب الایمان) حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "رزق حلال کمانا (حلال ذرائع سے روزی کمانے کی فکر و کوشش کرنا) فرائض (شرعی فرائض) کے بعد فرض ہے۔

5. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الکاسب حبیب اللہ " حلال روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے"

6. آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے سوال کہ "میری دعائیں قبول ہوں" پر ارشاد فرمایا: "رزقِ حلال کھایا کرو، اللہ تعالیٰ ہر دعا قبول کرے گا" (مشکوٰۃ، بخاری)

7. بیہقی میں حدیث پاک ان الفاظ سے آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رزقِ حلال کھاتا رہا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا، وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہو گا۔

8. جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی، ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے تو اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے " حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہئے "

ایثار: ایثار کا معنی ہے "ترجیح دینا" یعنی دوسرے لوگوں کی ضروریات اور مفادات کو اپنی ضروریات اور مفادات پر ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔

اہمیتِ ایثار: مسلمان کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے۔

1. انصارِ مدینہ نے جب مہاجرین بھائیوں کے ساتھ ایثار کا عملی مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف یوں کی: وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر:9) ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔ اسی طرح فرمایا وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾ اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا پس وہی لوگ ہی بامراد و کامیاب ہیں۔

2. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان نے ضرورت کے باوجود کسی برہنہ مومن کو کپڑے پہنائے تو اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلمانوں نے اپنی بھوک کے باوجود کسی مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے پیاس کے باوجود کسی مسلمان کو پانی پلایا، اللہ اس کو جنت کی شراب سے پلائے گا۔ (سنن ابوداؤد سنن ترمذی)

3. رسول اللہ ﷺ ایثار کا عملی نمونہ تھے، ایک دفعہ آپ نے جانور ذبح فرمایا اور گوشت تقسیم کی غرض سے گھر بھیج دیا، کچھ دیر بعد گھر میں آکر دریافت فرمایا کتنا تقسیم ہو گیا اور کتنا بچا؟ عرض کیا گیا کہ عمدہ قسم کا گوشت تقسیم ہو گیا ہے اور خراب قسم کا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا" جو تقسیم ہو گیا ہے وہ رہ گیا اور جو باقی بچا ہے حقیقت میں وہ چلا گیا ہے"

4. صحابہ کرام بھی جذبہ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ غزوۂ تبوک میں ابو بکرؓ نے اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اے ابو بکر! گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے"؟ تو آپ نے عرض کی "گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کافی ہے"۔

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

5. وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ (سورۃ الدھر:8)
ترجمہ: اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔ یہ آیات حضرت علی (علیہ السلام) اور فاطمہ اور الحسن اور الحسین (علیہم السلام) کے متعلق نازل ہوئی ہیں کیونکہ انہوں نے مسکین، یتیم اور قیدی کو تین راتیں اپنے افطار پر ترجیح دی اور خود وہ (علیہم السلام) بھوکے رہے اور کھانے پینے کی کسی چیز سے افطار نہیں کیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت عمدہ تعریف کی اور ان کے متعلق یہ سورت نازل کی اور ان کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ قیامت تک ان کی عظمت میں اس سورت کی تلاوت ہوتی رہے گی ۔

6. ایثار کی بہترین مثال انصار مدینہ کی ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انصار اور مہاجرین میں مواخات قائم ہو گئی۔ وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ انصار نے مہاجرین کو زبانی بھائی بھائی کہنے کی بجائے عملی طور پر اپنی ہر چیز یعنی زمین، مال تجارت اور ذرائع تجارت کا نصف ان میں بخوشی تقسیم کر دیا۔

7. نبی اکرم ﷺ کے مہمان کو ایک انصاری اپنے گھر لے گئے جہاں بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا، خاوند نے بیوی سے کہا تم انہیں بہلا لینا اور جب وہ کھانا چاہیں تو انہیں سلا دینا جب ہمارا مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو مہمان نے کھانا کھا لیا اور وہ دونوں رات بھر بھوکے رہے اگلے دن جب وہ انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے گزشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔ (متفق علیہ)

سوال نمبر 11: رذائل اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ رذائل کا تفصیلاً ذکر کریں جن سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

الجواب: " اَخلاق" خُلق' کی جمع ہے، خَلق اور خُلق در اصل ایک ہی ہیں لیکن خَلق مخصوص ہے ظاہری شکل و صورت سے اور خُلق کو مخصوص کر دیا گیا باطن اور کردار سے۔ ایسے مذمومہ اخلاق جن کو اختیار کرنے کے بعد انسان حیوانی درجے میں جا گرتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، اسلام میں اخلاقِ رذیلہ کی مذمت کی گئی ہے اور ان سے بچنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ انسانی شخصیت کو داغدار کر دیتے ہیں۔ چند ایک رذائل اخلاق درج ذیل ہیں:

جھوٹ	**غیبت و چغلی**	**منافقت**	**تکبر**
حسد	**فحش**	**بخل**	**بغض**
خیانت	**لالچ**	**دھوکہ**	**ملاوٹ**
فتنہ و فساد	**مکاری**	**وعدہ خلافی**	**گالی گلوچ**

جھوٹ: عربی میں "کذب" یعنی حقیقت کے خلاف کوئی بات کہنا یا کرنا یا ایسا تاثر دینا جو حقیقت کے خلاف ہو جھوٹ کہلاتا ہے، لہٰذا دھوکہ دہی، کم تولنا، غلط طریقے کسی کا مال کھانا، دوسروں کو مرعوب

کرنے کے لئے امیر یا اچھا بننا سب جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے۔ جھوٹ رذائل اخلاق میں سے اول درجے کی برائی ہے۔

جھوٹ کی مذمت: جھوٹ کے نتیجے میں باہمی اعتبار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور معاشرتی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنے کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔

۱. جھوٹ بولنے والا راہِ راست پر نہیں آسکتا کیونکہ اسے ہدایت ربانی کے قابل ہی نہیں جانا گیا، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ الزمر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣﴾ یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو جھوٹا ہے، بڑا ناشکر گزار ہے۔

۲. جھوٹ بولنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور یعنی لعنت کا مستحق ہے، سورہ آلِ عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ پھر ہم مباہلہ (یعنی گڑگڑا کر دعا) کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں

۳. سورۃ البقرہ میں قیامت کے دن جھوٹ بولنے کی وجہ سے دردناک عذاب کا بتایا گیا ہے: وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے

۴. آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ منافق کی تین پہچانیں ہیں إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

۵. عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا (صحیح بخاری) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی ہدایت کرتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری کی طرف اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کاذبین میں لکھا جاتا ہے۔

۶. نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص جس کو تم نے معراج کی رات میں دیکھا تھا کہ اس کے جبڑے چیرے جا رہے تھے وہ بہت بڑا جھوٹا تھا اور اس طرح جھوٹ باتیں اڑاتا تھا کہ دنیا کے تمام گوشوں میں وہ پھیل جاتی تھیں قیامت تک اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ (صحیح بخاری)

۷. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ الْعَبْدُ الْإِيمَانَ كُلَّهُ حَتَّى يَتْرُكَ الْكَذِبَ فِي الْمُزَاحِ وَالْمِرَاءِ وَإِنْ كَانَ صَادِقًا حضرت ابو ہریرہ (رض) سے مروی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک مذاق میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ نہ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ختم نہ کر دے۔

۸. وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو گفتگو میں قوم کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے اس کی بربادی ہے اس کی بربادی ہے۔ (ابوداؤد)

غیبت: یہ لفظ غیب سے ہی بنا ہے یعنی کسی کی عدم موجودگی یا غیر حاضری میں ایسی باتیں کہنا جو ہوں تو سچ ہی لیکن اگر اس کو معلوم ہو جائیں تو وہ بُرا محسوس کرے۔

غیبت اور بہتان میں فرق: حضرت ابوہریرہ (رض) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے فرمایا تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرتے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے عرض کیا اگر وہ عیب واقعی اس میں موجود ہو تو آپ نے فرمایا اگر تم اس عیب کا تذکرہ کرو جو واقعی اس میں ہے تو غیبت ہے ورنہ تو نے بہتان باندھا (مسلم، ترمذی)

غیبت کی مذمت: غیبت سے باہمی نفرت کو ہوا ملتی ہے۔ غیبت کرنے والا عموماً خود کو عیبوں سے پاک تصور کرتا ہے اور جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے اس کا عیب چونکہ اب لوگوں کی نظروں میں آچکا ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے عیب کی تشہیر ہو جانے کے باعث مزید ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ پیٹھ پیچھے کسی کی بدگوئی کرنا مطلقاً حرام ہے۔ یہ بدگوئی اگر سچی ہو تو غیبت ہے، جھوٹی ہو تو بہتان ہے اور دو آدمیوں کو لڑانے کے لیے ہو تو چغلی ہے

1. اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی تلقین کی، فرمایا: وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ (سورۃ الحجرات:12) ترجمہ: اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کی مثال مردار کھانے سے دی ہے، کیونکہ جس طرح جس مردار کا گوشت کھایا جائے اس کو علم نہیں ہوتا کہ اس کا گوشت کھایا جا رہا ہے، اسی طرح جس شخص کا پس پشت عیب بیان کیا جائے اس کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کا پس پشت عیب بیان کیا جا رہا ہے، نیز جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اور گھناؤنا فعل ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی حرام ہے اور گھناؤنا فعل ہے نیز کسی مسلمان کی جب غیبت کی جائے تو وہ اپنے واقف لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور رسوا ہو جاتا ہے اور کسی مسلمان کو بے عزت کرنا اس کو قتل کر دینے کے مترادف ہے
2. رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب مجھے معراج عطا کی گئی تو اس رات میں ایک قوم پر گزرا ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہرے اور سینے کھرچ رہے تھے تو میں نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں اے جبرائیل انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت وآبرو کے درپے رہتے ہیں (یعنی غیبت کرتے ہیں):::(ابوداؤد)
3. ابن عباس (رض) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دو قبروں پر سے گزرے، آپ نے فرمایا ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے، لیکن کسی بڑے بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا، ایک تو ان میں سے پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا، پھر آپ نے ایک تر شاخ لی اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا لگا دیا، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ آپ نے کیوں کیا؟ فرمایا امید ہے کہ جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں کمی ہوگی۔ (صحیح بخاری)
4. حضرت ابو سعید خدری مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے تمام اعضاء اس کی زبان سے التجاء کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈر ہم بھی تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہوگی تو ہم سب سیدھے ہوں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے (ترمذی)

علماء نے غیبت کی مندرجہ ذیل صورتیں جائز قرار دی ہیں۔

1. ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت اس شخص کے سامنے جس سے وہ یہ توقع رکھتا ہو کہ وہ ظلم کو رفع کرنے کے لیے کچھ کر سکتا ہے۔
2. اصلاح کی نیت سے کسی کی برائیوں کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے جن سے یہ امید ہو کہ وہ اصلاح کرنے کے لیے کچھ کر سکیں گے۔

3. کسی کو کسی کے شر سے خبردار کرنا تاکہ وہ اس کے نقصان سے بچ سکے۔ مثلاً کوئی شخص کہیں شادی کا رشتہ کرنا چاہتا ہو یا کسی کے پڑوس میں مکان لینا چاہتا ہو یا کسی سے شرکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو اور آپ سے مشورہ لے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اس کا عیب وصواب اسے بتادیں تاکہ ناواقفیت میں وہ دھوکا نہ کھائے۔
4. فتویٰ مانگنے کی غرض سے کسی مفتی کے سامنے صورت واقعہ بیان کرنا جس میں کسی کے کسی غلط فعل کا ذکر آجائے۔
5. جو لوگ کسی برے لقب سے اس قدر مشہور ہو چکے ہوں کہ وہ اس لقب کے علاوہ کسی اور لقب سے پہچانے نہ جاسکیں، ان کے لیے وہ لقب استعمال کرنا بغرض تعریف (پہچان کرانا) نہ کہ بغرض تنقیص۔

منافقت: ظاہر اور باطن کے تضاد، یا دوہری چال کو منافقت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، دھوکہ دینے والے یا دوہری چال چلنے والے شخص کو منافق کہتے ہیں۔

اقسام منافقت: علمائے اسلام نے منافق کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

ا: اعتقادی منافق ۲: عملی منافق

i. وہ جو دل سے اسلام کی صداقت وحقانیت کا قائل نہیں، لیکن کسی مصلحت یا شرارت کی بنا پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسے اعتقادی منافق کہتے ہیں۔ یہ کافروں سے بھی بدتر ہے، قرآن مجید میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر 8 سے آیت نمبر 20 تک منافقوں کی نفسیات کا ذکر ہے۔ منافقین نے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے مقابل فتنہ وفساد کے لئے اپنی علیحدہ مسجد بھی بنالی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسجدِ ضرار کو مسمار کر دیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۞ (سورۃ التحریم ۹) ترجمہ: اے نبی ﷺ آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی فرمائیے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ii. وہ جو خلوصِ نیت سے اسلام قبول کرتا ہے لیکن بعض بشری کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کے عملی احکام پر چلنے میں تساہل یا کوتاہی کرتا ہے۔ اسے عملی منافق کہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اس قسم کی منافقت میں منافق کو اپنی منافقت کا علم بھی نہیں ہوتا وہ دین دار ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو باہم لڑانے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى هٰذِهِ الْأُمَّةِ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيمِ اللِّسَانِ مجھے اپنی امت کے متعلق سب سے زیادہ خطرہ اس منافق سے ہے جو زبان دان ہو (یعنی عالم)۔ (مسند احمد)

منافقت کی پہچان (علامات): ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (صحیح بخاری) منافق کی تین علامتیں ہیں جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ بخاری میں چوتھی خصلت کا بھی ذکر ہے کہ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکنے لگے۔

منافقوں کا انجام: منافق چاہے نماز روزے کا پابند ہو، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النسآء: 149) ترجمہ: بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے

i. حضرت انس (رض) سے مروی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا شبِ معراج میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ دنیا کے خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے اور کتاب کی تلاوت کرتے تھے، کیا یہ سمجھتے نہ تھے۔

ii. نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور (اس کو دفن کرکے) پیٹھ پھیر لی جاتی ہے اور اس کے ساتھی رخصت ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ جوتوں کی آواز کو سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ اس شخص یعنی محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے جہنم کے ٹھکانے کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ٹھکانا عطا کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ ان دونوں چیزوں (جنت اور جہنم) کو دیکھے گا اور کافر یا منافق کہے گا کہ میں نہیں جانتا میں تو وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے تو کہا جائے گا تو نے نہ جانا اور نہ سمجھا، پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جائے گا تو وہ چیخ مارے گا اور اس کی چیخ کو جن وانس کے سوا اس کے آس پاس کی چیزیں سنتی ہیں۔

تکبّر: تکبر کے معنیٰ خود کو بڑا اور برتر ظاہر کرنے کے ہیں۔ متکبر شخص دوسرے لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھتا ہے۔ جیسا کہ سب سے پہلے شیطان نے خود کو ستر ہزار سال تک اللہ کی خالص عبادت کے پیشِ نظر اور فرشتوں کا معلم ہونے کی حیثیت سے برتر اور افضل سمجھا اور آدمؑ کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر سجدے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (سورۃ الاعراف: ۱۳) ترجمہ: ارشاد ہوا: پس تو یہاں سے اتر جا تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبّر کرے پس (میری بارگاہ سے) نکل جا بیشک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہے

تکبر کی مذمت: غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا چلا آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق' آخرت میں بھی متکبر انسانوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

1. اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (سورۃ الزمر: ۶۰) ترجمہ: کیا تکبّر کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے؟
2. كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (سورۃ غافر: ۳۵) ترجمہ: اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور (اور) سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے
3. اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (سورۃ لقمٰن: ۱۸) ترجمہ بیشک اللہ ہر متکبّر، اترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے
4. حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر نہیں کرے گا، جو اپنا ازار (تہبند، شلوار، پاجامہ) غرور کی وجہ سے گھسیٹ کر چلے۔ (بخاری)
5. عبداللہ بن مسعود (رض) سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں۔ (مسلم)

مغرور اور متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور گناہوں پر بے باک ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کون دے سکتا ہے؟ اسی لئے مروت' اخوت' ایثار اور اس قسم کی بہت سی دوسری بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

1. **حسد**:::::::: حسد کا معنیٰ جلنا اور کُڑھنا کے ہیں یعنی کسی شخص کی خوبی، وصف یا کوئی نعمت دیکھ کر دل میں تمنا کرنا کہ یہ خوبی، وصف اور نعمت اُس سے چھن جائے' حسد کہلاتا ہے۔ حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں میں اللہ سبحانہ کی نافرمانی میں کیا گیا اور حسد وہ پہلا گناہ ہے جو اللہ کی نافرمانی میں زمین پر کیا گیا، ابلیس نے حضرت آدم سے حسد کیا اور قابیل نے ہابیل سے حسد کیا، حسد میں پانچ خرابیاں ہیں: (۱) حاسد ہر اس شخص سے حسد کرتا ہے، جس کو کوئی نعمت دی گئی ہو (۲) حاسد اللہ کی تقسیم سے راضی نہیں ہوتا (۳) حاسد اللہ کے فضل سے بخل کرتا ہے کہ اللہ جس پر چاہے اپنا فضل کرتا ہے (۴) حاسد اولیاء اللہ کا برا چاہتا ہے اور ان سے نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے (۵) حاسد ابلیس کا متبع ہوتا ہے۔

حسد کا دنیاوی نقصان: حسد کرنے والا کئی دوسری اخلاقی بیماریوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، مثلاً قطع تعلقی، فساد، نفرت، اور ہوس وغیرہ۔ جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا، جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں

1. قناعت کے معنی ہر ممکن پر راضی رہنا اور آمدنی کے برابر خرچ کرنا اور مقدر پر راضی رہنا کے ہیں۔ قناعت کرنے والا شخص اپنی خواہشات کو اپنی ضروریات اور حالات کے تابع کر دیتا ہے وہ زیادہ کی دوڑ میں شامل ہونے کے بجائے صبر کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ وہ لوگوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے آپ سے مقابلہ کرنا پسند کرتا ہے۔ جب کہ حاسد ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالِ زار پر کفِ افسوس ملتا رہتا ہے، اس کی وہ صلاحیتیں جو اپنی حالت بہتر بنانے پر صرف ہو سکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔ حاسد اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے۔
2. قانع شخص اللہ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے جب کہ حاسد ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، فرمان الٰہی ہے: أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (سورۃ النساء:54) ترجمہ: پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟

حسد کا اخروی نقصان: حسد سے نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ حضرت ابوہریرہ (رض) سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حسد سے بچتے رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

حسد کا علاج: اگر انسان حسد جیسے اخلاقِ رذیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگانِ دین کی سادگی و قناعت کی تاریخی مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ مزید برآں وہ دولت و اقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔ ان نقصانات کے بارے میں سوچے کہ حسد دین کی آفت ہے۔ حسد ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔ حسد ذاتِ خدا کی دوستی سے خارج ہونے کا سبب بنتا ہے۔ حسد، خدا کے کاموں کے ساتھ دشمنی ہے۔ حسد عبادت اور توبہ اور شفاعت کے قبول نہ ہونے کا موجب ہے۔ حسد خوبیوں کو مٹانے اور بہت سے گناہوں کی جڑ ہے۔ خداوند متعال اور اس کے صفات اور افعال کی نسبت ایمان کا زیادہ مستحکم کرنا اور اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اس نے ہر روحانی، دنیوی، اخروی نعمت اور خوبی، خوبصورتی جسے عطا کی ہے اسے اپنی رحمت، عدالت، حکمت اور امتحان کی وجہ سے دی ہے اور اگر کوئی فرد اس سے بہرہ مند نہیں تو وہ الٰہی حکمت کی وجہ سے ہے مثلاً امتحان اسکے روحانی یا اخروی درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے ۔

سوال نمبر12: کسب حلال کی اہمیت بیان کریں۔

الجواب: کسبِ حلال: کسب کا معنیٰ "کمانا" اور حلال "جائز" یعنی جائز ذرائع سے روزی کمانے کو کسب حلال کہتے ہیں۔

کسبِ حلال کی اہمیت: مسلمان کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے

1. اللہ تعالیٰ نے حلال اشیاء کے بارے عام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (سورۃ البقرہ:168) ترجمہ: اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ۔
2. مومنوں کو حکم دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (سورۃ البقرہ : 172) ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔
3. اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ رسولوں کو بھی حکم دیا: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ﴿٥١﴾ (سورۃ المومنون:51) ترجمہ:::: اے رُسُلِ (عظام!) تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو (جیسا کہ تمہارا معمول ہے) اور نیک عمل کرتے رہو۔
4. عن عبد الله رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (بیہقی، شعب الایمان) حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "رزق حلال کمانا (حلال ذرائع سے روزی کمانے کی فکر و کوشش کرنا) فرائض (شرعی فرائض) کے بعد فرض ہے۔
5. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الکاسب حبیب اللہ" حلال روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے"
6. آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے سوال کہ "میری دعائیں قبول ہوں" پر ارشاد فرمایا: "رزق حلال کھایا کرو، اللہ تعالیٰ ہر دعا قبول کرے گا" (مشکوٰۃ، بخاری)
7. بیہقی میں حدیث پاک ان الفاظ سے آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رزقِ حلال کھاتا رہا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا، وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہو گا۔
8. جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی، ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے تو اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے" حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہئے"

سوال نمبر13: "حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے" وضاحت کیجئے

حسد:::::::: حسد کا معنیٰ جلنا اور کُڑھنا کے ہیں یعنی کسی شخص کی خوبی، وصف یا کوئی نعمت دیکھ کر دل میں تمنا کرنا کہ یہ خوبی، وصف اور نعمت اُس سے چھن جائے' حسد کہلاتا ہے۔ حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں میں اللہ سبحانہ کی نافرمانی میں کیا گیا اور حسد وہ پہلا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں زمین پر کیا گیا، ابلیس نے حضرت آدمؑ سے حسد کیا اور قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔

حاسد قناعت سے محروم: جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا، جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں

1. قناعت کے معنی ہر ممکن پر راضی رہنا اور آمدنی کے برابر خرچ کرنا اور مقدر پر راضی رہنا کے ہیں۔ قناعت کرنے والا شخص اپنی خواہشات کو اپنی ضروریات اور حالات کے تابع کر دیتا ہے وہ

زیادہ کی دوڑ میں شامل ہونے کے بجائے صبر کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ وہ لوگوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے آپ سے مقابلہ کرنا پسند کرتا ہے۔ جب کہ حاسد ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حال زار پر کفِ افسوس ملتا رہتا ہے، اس کی وہ صلاحیتیں جو اپنی حالت بہتر بنانے پر صرف ہوسکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔ حاسد اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے۔

2. قانع شخص اللہ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے جب کہ حاسد ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے: اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (سورۃ النساء:54) ترجمہ: پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازدیا؟

سوال نمبر14: صحابہ کے ایثار کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

الجواب: ایثار: ایثار کا معنی ہے "ترجیح دینا" یعنی دوسرے لوگوں کی ضروریات اور مفادات کو اپنی ضروریات اور مفادات پر ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔

ایثارِ صحابہ: نبی اکرم ﷺ کے مہمان کو ایک انصاری اپنے گھر لے گئے جہاں بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا، خاوند نے بیوی سے کہا تم انہیں بہلا لینا اور جب وہ کھانا چاہیں تو انہیں سلا دینا جب ہمارا مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو مہمان نے کھانا کھا لیا اور وہ دونوں رات بھر بھوکے رہے اگلے دن جب وہ انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے گزشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔ (متفق علیہ)

مؤاخاتِ مدینہ میں انصارِ مدینہ نے جب مہاجرین بھائیوں کے ساتھ ایثار کا عملی مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف یوں کی: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر:9) ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔

ایثار کی بہترین مثال انصار مدینہ کی ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انصار اور مہاجرین میں مواخات قائم ہوگئی۔ وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ انصار نے مہاجرین کو زبانی بھائی کہنے کی بجائے عملی طور پر اپنی ہر چیز یعنی زمین، مال تجارت اور ذرائع تجارت کا نصف ان میں بخوشی تقسیم کردیا۔

سوال نمبر15: "حکمران طبقے کے لئے قانون کی پاسبانی کیوں ضروری ہے؟" وضاحت کریں

الجواب: قانون: قانون معاشرے کے تمام افراد کے لئے ایک ایسا نظام ہوتا ہے کہ جس کو کسی ادارے، حکومت یا معاشرے کی جانب سے انسانوں کو منظم کرنے اور حدود کا پابند کرنے کے لئے نافذ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا انسان پر جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرنا بلکہ ان پر عمل کرنا احترام قانون کہلاتا ہے۔ اور ان پابندیوں پر عمل نہ کرنا لاقانونیت کہلاتا ہے جس کی بنیادی طور پر دو وجوہ ہیں

ا:::::: خود غرضی اور مفاد پرستی ۲:::::: اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا

نظام فطرت جیسے سورج، چاند، دن، رات، ستارے، ہوائیں، پانی کا بہاؤ سب ہی قانونِ فطرت کے مطابق چل رہے ہیں، اگر یہ اپنے رستوں سے انحراف کرلیں، ہوا میں آکسیجن کا توازن بگڑ جائے، یا سورج زمین کے مزید نزدیک آجائے، یا چاند دور چلا جائے تو سارا نظام بگڑ جائے گا اور تباہی و بربادی پھیل جائے گی۔

حکمران طبقے کے لئے قانون کی پاسبانی: حکمران اگر خود قانون کی پابندیوں کا احترام نہ کریں گے تو معاشرہ کبھی بھی قانون کا احترام نہیں کرسکتا کیونکہ اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ ہمیشہ مشہور، لیڈ کرنے والے، بااثر طبقہ، اشرافیہ، حکمران، رہنما، علماء، جرنیل، اساتذہ اور اس قبیل کے دیگر لوگ عوام الناس کے لئے مثال بنا کرتے ہیں۔ جیسے گھر کا سربراہ یا بڑا بھائی اگر سگریٹ نوشی، شراب نوشی یا آوارہ گردی کرے تو سارا گھرانہ وہی عادتیں پکڑتا ہے۔ لہٰذا حکمران طبقے کو خود احترام قانون کر کے اپنی مثال قائم کرنی ضروری ہے جس کی مثال خود نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کی زندگیوں میں ملتی ہے۔

مسلمان حاکم کے لئے کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اس بات پر کتنی تاکید کی ہے

1. اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ قوانین جنہیں حدود اللہ کہتے ہیں کے مطابق فیصلہ کرنے اور انہیں نافذ کرنے کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (سورۃ المائدہ: 48) ترجمہ::: پس آپ ان کے درمیان ان (احکام) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کی چوری کے معاملہ میں حضور ﷺ نے قانون کی پاسبانی کی۔ الفاظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں "اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا" (بخاری)
2. حدود اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی احکامات و قوانین کا احترام نہ کرنے والوں کو اپنی محبت سے محروم رکھا: وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (سورۃ البقرہ: 190) ترجمہ::: حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔
3. قاضی شریح تابعی تھے، ان کی عدالت میں وقت کے امیر المؤمنین ہونے کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ اپنی زرہ گم ہونے کا مقدمہ یہودی کے خلاف لیکر پیش ہوتے ہیں، اور اپنے بیٹے حسن اور غلام قنبر کی گواہی رشتہ و قرب کی بنیاد پر قبول نہ ہونے سے مقدمہ سے دستبردار ہوجاتے ہیں۔ حکمران کے لئے احترام قانون کی عمدہ ترین مثال ہے، اس احترامِ قانون نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ (مجلۃ الاحکام العدلیہ، ابو بکر جصاص)

عام آدمی میں اجتماعی شعور کی تربیت کرنا اور اسے قانون کا پابند بنانا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اشرافیہ (یعنی بااثر طبقہ)، دینی و سیاسی رہنماء، جرنیل اور حکمران اپنے انداز نہیں بدلتے اور قانون کی پاسبانی کو ضروری نہیں سمجھتے، بدقسمتی سے تب تک عوام کا مجموعی رویہ بدلنا اور اجتماعی شعور کا فروغ پانا؛ بغیر کسی معجزے کے ممکن نظر نہیں آتا